

((إِنْ مِنْ أَكْبَرِ الْكِبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ)) قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: ((يَسِبُ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسِبُ أَبَاهُ، وَيَسِبُ أُمَّهُ فَيَسِبُ أُمَّهُ.))

(صحيح البخاري: ٥٩٧٣، صحيح مسلم: ٩٠)

”کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے۔“
حاضرین نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! کوئی شخص کیسے اپنے ماں باپ کو گالی دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اُس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے کے باپ کو گالی دے، کسی دوسرے کی ماں کو گالی دے اور وہ شخص پلٹ کر اس کے ماں باپ کو گالی دے (تو اس طرح وہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینے کا سبب بنتا ہے۔)“

صلہ رحمی کی تاکید

نبی کریم ﷺ نے صلہ رحمی کی بہت تاکید فرمائی ہے حتیٰ کہ رشتے دار بدسلوکی کریں اور رشتہ دار تب بھی بدسلوکی کے بجائے حسن سلوک ہی کا حکم ہے۔ قطع رحمی کے جواب میں قطع رحمی نہیں، صلہ رحمی ہی کرنی ہے، گالی کا جواب گالی سے نہیں، دعا سے دینا ہے اور کانٹے بکھیرنے والوں کو گلے دستے پیش کرنے ہیں نہ کہ خاردار جھاڑیاں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑائی جھگڑے کے اسباب زیادہ تر رشتے داروں ہی کے درمیان پائے جاتے یا پیدا ہوتے ہیں کیونکہ

❀ رشتے ناتے بھی زیادہ تر رشتے داروں ہی کے درمیان ہوتے ہیں۔

❀ جائیدادوں میں اشتراک بھی رشتے داروں ہی کے درمیان زیادہ ہوتا ہے۔

❀ کاروبار میں حصہ دار بھی زیادہ تر قرابت مند ہی ہوتے ہیں۔

❀ مل جل کر رہنا بھی زیادہ تر رشتے داروں ہی کے درمیان ہوتا ہے۔

یہ چاروں ہی چیزیں ایسی ہیں جو لڑائی جھگڑے اور تلخی و کشیدگی کا باعث بنتی ہیں۔ جن سے آپ کا میل جول ہو، نہ کاروبار اور جائیداد میں کوئی شرکت ہو اور نہ کسی قسم کا کوئی رشتہ ناتا تو ظاہر بات ہے ان سے آپ کا جھگڑا ہوگا، نہ کسی بات پر تلخی و کشیدگی۔ تلخیاں اور کشیدگیاں تو ایک جگہ مل جل کر رہنے ہی کی صورت میں ہوں گی یا جائیداد کی وجہ سے ہوں گی یا کاروبار میں شراکت اُن کی بنیاد ہوگی یا باہم رشتے ناتے اُن کا باعث ہوں گے۔

جب واقعہ یہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے انھی اسباب کی وجہ سے یہ تاکید فرمائی کہ رشتے داروں کے ساتھ جیسے بھی حالات پیش آئیں یا وہ جس طرح کا بھی معاملہ تمہارے ساتھ کریں، تم نے ہر صورت میں رشتے داری کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھنا ہے بلکہ اس کے تقاضوں کو بھی خوش اسلوبی سے ادا کرنا ہے۔ اگر تم نے صرف انھی رشتے داروں کے ساتھ اچھا رویہ رکھا جو تمہارے ساتھ اچھا رویہ رکھتے ہیں، صرف انھی کے ساتھ حسن سلوک کیا جو تمہارے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں اور انھی رشتے داروں کے ساتھ تعاون کیا جو تمہاری عزت و وقار کو ملحوظ رکھتے ہیں تو یہ صلہ رحمی نہیں ہے بلکہ ادلے کا بدلہ ہے۔ احسان کے بدلے میں احسان ہے اور صلہ رحمی کے جواب میں صلہ رحمی ہے۔ جب کہ اصل صلہ رحمی یہ ہے کہ قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے، بدسلوکی کے جواب میں حسن سلوک کیا جائے اور رشتے داری کو ہر صورت میں برقرار رکھا جائے اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی سے کسی صورت بھی گریز نہ کیا جائے۔ (مولانا صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ)

فہرست

	جواہر پارے ❁	
	کلمہ طیبہ ❁	صلہ رحمی کی تاکید
	اداریہ ❁	
2	درس قرآن ❁	تفسیر سورہ فاطر..... (۳۷)
4	درس حدیث ❁	توفیق الباری
8	تحقیق و تنقید ❁	مسند الإمام أبی حنیفۃ للحارثی..... (۵)
10	تذکار سلف ❁	امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور اعداء اسلام
16	تاریخ ❁	سن ہجری کا فلسفہ
18	فکر و نظر ❁	جمہوریت کی قبا حیتیں..... (۱)
21	یاد رفتگان ❁	التذکار السدید فی احوال عبدالرشید (اثاروی)
24	یاد رفتگان ❁	مولانا میاں محمد بن میاں عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ
29	تبصرہ کتب ❁	ماہنامہ ”القاسم“ کا قلم و کتاب نمبر۔ توبہ و تقویٰ
32	شعر و ادب ❁	افضل جہاد

(حافظ احمد شاکر)

(مولانا ارشاد الحق اثری)

(حافظ محمد اشرف سعید)

(مولانا ارشاد الحق اثری)

(حافظ ریاض احمد عاقب)

(مولانا محمد حنیف ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

(محمد شریف باخاری)

(عبدالحمید فردوسی)

(حکیم عبدالباری بن محمد دریس)

(محمد سلیم چنیوٹی)

(امجد عینیپ)

نظام دوہی ہیں

انسان اپنے طبعی رجحانات کے باعث خود غرض اور مفاد پرست ہوتا ہے۔ دین اس کی فطرت کو لگام دے کر جائز ناجائز بتلاتا، پابند کرتا اور دیگر معاشرتی آداب و اخلاق کا سبق دیتا ہے۔ معاشرہ حضرت انسان کی تخلیق کے بعد جوں جوں بڑھتا گیا تو اس کو نظم و ضبط اور باہمی ربط کے اصول و قواعد تشکیل دینے کی ضرورت پڑتی گئی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسانی فطرت کی کمزوریوں کی اصلاح کے لیے انبیاء و رسل بھی مبعوث فرمائے اور صحائف آسمانی کا ان انبیاء و رسل پر نزول بھی فرماتا رہا۔ باہمی میل جول، لین دین اور سوسائٹی کے امن و استحکام کے لیے جو کوششیں کی جاتی رہیں ان کو سیاست کہا جانے لگا اور اس میدان میں عملاً خدمات سرانجام دینے والوں کو سیاستدان کہا جانے لگا۔ گویا کہ سیاست اور سیاستدان انسانی تمدن اور معاشرت کا لازمی جزو بن گئے۔ انسان جیسے جیسے ترقی کی منازل طے کرتا رہا اسی رفتار سے اس کی خود غرضیاں اور خواہشات نمود پاتی رہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مشیت و حکمت نے جب چاہا انسان کی فطرت کو کنٹرول کرنے کے لیے تدریجی طور پر اپنے انبیاء و رسل کی معرفت قوانین الہی سے انسانوں کو متنبہ کرتی رہی، تا آنکہ خاتم الرسل ﷺ کو مبعوث فرما کر ایسی شریعت سے ان کو سرفراز فرمایا جو قیامت تک کے لیے کافی تھی، کافی ہے اور کافی رہے گی۔

نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول بھی تھے اور ہادی و امین بھی۔ اس کے ساتھ آپ ﷺ ایک ایسے حاکم و راہنما بھی تھے جس کی مثال نہ ان سے پہلے تھی اور نہ قیامت تک کوئی ہو سکتی ہے۔ آپ کی (یعنی قرآن و حدیث) کی تعلیمات نے دنیا کو ایک ایسا نظام حکمرانی دیا جو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے انسانیت کے لیے ایک سنگ میل بلکہ مینارہ نور بن گیا۔ مختصراً، آخرت کی جوابدہی، دیانت و امانت، احساس ذمہ داری، خدمت خلق اور ایثار کو اسلامی نظام حکمرانی کے راہنما اصول کہا جاسکتا ہے۔ غیر اسلامی فکر نے اس کے مقابلے میں دو نظام مہائے حکومت متعارف کرائے۔ ایک سرمایہ داری، دوسرا اشتراکی۔ سرمایہ داری کی آسان زبان میں تعریف شاید یہ ہو کہ اس نظام میں مال و دولت ایک طبقے میں بڑھتی چلی جاتی ہے اور دوسرے طبقے میں غربت و افلاس۔ اشتراکیت میں مملکت کی کوئی چیز..... زمین، مکان وغیرہ..... کسی انسان کی ملک نہیں ہوتی، سب کچھ حکومت کی ملک ہوتا ہے اور مملکت اپنے وطن کے ہر باسی کو روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرنے کی پابند ہوتی ہے اور بس۔ سرمایہ دارانہ نظام کو جمہوریت یعنی اکثریت رائے کا خوبصورت نام دے دیا گیا، جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لائیں کرتے۔ اور اشتراکیت میں ہر چیز کو عوام کی ملکیت (ایسی ملک جس میں کسی کو کچھ اختیار نہیں ہوتا) قرار دے کر عوام کو بہلا دیا گیا۔ جب کہ اسلامی نظام حکومت میں سرمائے کو تجارت سے بڑھانے کی ترغیب دی گئی، معاش کو کنٹرول کرنے کے لیے ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کی حوصلہ شکنی کی گئی اور خصوصاً خوراک کی ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دے دیا گیا۔ ہوس زر کے ناپاک جذبے کو کچلنے کے لیے سود کو ہمیشہ کے لیے صرف حرام ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس کے لیے سخت ترین وعیدیں بھی دی گئیں۔ غربت و افلاس کا علاج زکوٰۃ کی فرضیت اور صدقات کی ترغیب سے کیا گیا اور مزدور کو مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرنے کا حکم بھی دیا گیا۔ بددیانتی خصوصاً دھوکہ بازی اور اشیائے خورد و نوش میں ملاوٹ کی وعید اس حد تک کی گئی کہ فرمایا (من غش فلیس منا) یعنی جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

نظام اسلامی میں نجی ملکیت کی کوئی پابندی نہیں لیکن یتیمی، مساکین اور جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنے کی فضیلتیں اس قدر فرمادیں گئیں کہ معاشرے میں مال جمع کرنے کا تصور ہی نہ رہا۔ اسلامی حکومت کے اصولوں نے بندوں کی گنتی کو اہمیت دینے کی بجائے رائے دینے والوں کے اخلاق و کردار اور فہم و فراست کو اہمیت دی جس سے حکمرانی کا ایک ایسا معیار قائم ہو گیا کہ جس میں نہ کسی خاندان کی اہمیت ہے اور نہ ہی کسی کی دولت و ثروت کی۔ اور اصول طے کر دیا گیا کہ اعزاز و اکرام تقویٰ کی بنیاد پر ہوگا۔ اور انتظامی صلاحیت و اہلیت کی شرط متزاد ہوگی۔

خاتم النبیین ﷺ کے عطا فرمودہ اس نظام حکمرانی کے مذکورہ بالا چند اشارے ذکر کرنے کی کوشش کی گئی جس نے دنیا کو حکمرانی کی نئی جہتیں عطا کیں، جس

سے دنیا کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور بلاشبہ جس سے جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں نور کے قمقمے جگمگانے لگے، جس سے ایک پوری دنیا مستحیر ہوئی۔ اس طولانی گفتگو سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا کے نظامہائے حکومت میں ایک دینی نظام حکومت، جس میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات سے راہ نمائی لی جاتی ہے اور اس میں فیصلے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ارشادات کی روشنی میں کیے جاسکتے ہیں۔ دوسرا سیکولر نظام حکومت ہے، وہ چاہے جمہوری ہو یا اشتراکی کہ جمہوری نظام میں بھی عوام کی طاقتور تسلیم کی جاتی ہے اور اشتراکیت میں بھی عوام ہی کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیا جاتا ہے۔ کسی نظام کے ساتھ لفظ اسلامی کا سابقہ یا لاحقہ لگا دینے سے وہ نظام اسلامی نہیں ہو جاتا۔ سیکولر نظام ہائے حکومت میں سیاست یعنی خدمت خلق کے لیے خود کو پیش کیا جاتا ہے یعنی منصب طلب کیا جاتا ہے، امیدوار اور اس کے حواری ناممکن وعدے کرتے اور عوام کو امیدیں دلا کر ووٹ حاصل کرتے ہیں۔ اسلامی نظام میں عہدے کے مطالبے کو معیوب ہی نہیں مذموم گردانا گیا ہے اور عہدہ طلب کرنے والے کو عہدہ نہ دیے جانے کے واضح اشارات ملتے ہیں۔ اس فرق کو یوں بھی واضح کیا جاتا ہے کہ اسلامی نظام میں اصحاب تقویٰ اور اہل دانش کسی ایک نام پر متفق ہو کر کاروبار حکومت اس کو سوئپ دیتے ہیں۔ جبکہ سیکولر نظام میں جس طرف ووٹ زیادہ ہوں گے یہ نظام اس کا اعلان کرے گا۔ اس سیکولر نظام میں دنیوی شہرت اور ذاتی و جماعتی مفادات مقدم ہوتے ہیں اور قانون سازی میں اسلامی نظریات و ضروریات کی بجائے عوام کی ضروریات کو ترجیح دی جاتی ہے جس کے لیے دھوکہ دہی، منافقت اور ہنگامہ آرائی سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا اور حسب قوت و صلاحیت عوام اور وطن کے اثاثوں کے استحصال کا امکان بھی ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اسلامی نظام حکومت میں دین کو غالب رکھنا اس نظام کا اہم عنصر اور حکمران کی ذمہ دار ہوتی ہے جبکہ لا دین نظام میں ملک کی ترقی اور حکمرانوں کے ذاتی عروج میں اپنی خواہشات اور دینی احکام کے باعث دین کو کاٹ سمجھا جاتا ہے۔ لونا کر یسی، ضمیر فرشی، حرص و ہوس..... حتیٰ کہ بعض مرتبہ غداری بھی..... اس لا دین نظام کے وہ کڑے پھل ہیں جنہیں عوام دیکھتے، مشاہدہ کرتے اور پھر عمر بھر کڑھتے رہتے ہیں۔ حسب موقع بات بدل لینا، نہ چاہتے ہوئے بھی بعض ناممکن وعدے کر دینا اور نعرے لگا دینا اس لا دین سیاست کے لوازم ہیں جبکہ دین اس طرز عمل کو منافقت کا نام دیتا ہے۔ اس لیے نظامہائے حکومت دو ہی ہیں: ایک اسلامی اور ایک غیر اسلامی۔ جمہوریت کو اسلامی جمہوریت سوشلزم کو اسلامی سوشلزم کہنے سے حتیٰ کہ بیکاری کو اسلامی بیکاری کہنے سے کچھ بھی اسلامی نہیں ہوتا۔ انسانوں کے لیے نظام حکومت وہی کامیاب، مفید، ممکن العمل اور بہترین ہے جو کائنات کے خالق نے اپنے پسندیدہ بندوں (انبیاء علیہم السلام) کے ذریعے نازل فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظی ترمیم دونوں کو خلط ملط کر دیتی ہے جس سے کسی اچھے نتیجے کی توقع قطعاً دانی نہیں جیسا کہ ایک بزرگ رحمۃ اللہ نے ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ گندم الگ جنس ہے، چاول الگ جنس ہے اور چنے الگ جنس! ان سب اجناس کی الگ الگ اپنی اپنی قیمت ہے لیکن دو کو یا تین کو ملا دو تو پھر کیا ان کی وقعت و قیمت کچھ ہوگی؟

اپنی بات پر ہمیں اصرار نہیں لیکن کشتگان جمہوریت کے مطابق خواہش طول اقتدار کے ملزم مرحوم جنرل ضیاء الحق نے نظام اسلامی کی اہم ترین شق قانون شہادت پر کافی قانون سازی کی کوشش کی حتیٰ کہ ڈاکٹر عبدالملک عرفانی مرحوم نے اس موضوع پر ایک وقیع کتاب بھی لکھی۔ پاکستان کا قانون چونکہ برطانوی قانون (British Law) ہے جس کے ناک کان کاٹ کر پاکستان میں رائج کیا گیا ہے۔ برطانوی اور اسلامی قانون میں ایک بڑا بنیادی فرق یہ ہے کہ برطانوی قانون مجرم کو قانون کی چھتری دے کر بچانے کی کوشش کرتا ہے جبکہ اسلامی قانون شہادت کی بنیاد پر مجرم کو فوری اور سرعام سزا دلاتا ہے۔ اس لیے برطانوی قانون شہادت، جو عدالتوں میں رائج ہے، کے ہوتے ہوئے اسلامی قانون شہادت کو رائج کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ اس لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی سالہا سال کی محنت اور اس کے محترم اراکین کی علمی و عملی کدوکاوش کو لا دین حکمرانوں نے اکارت کر دیا اور اسلامی نظام کی خشت اول ہی کو اکھاڑ پھینک دیا گیا۔ دوسرا انھوں نے وطن عزیز کے ہمدرد و خیر خواہ اہل علم سے مل کر سینٹ، قومی و صوبائی اسمبلی کے اراکین کے لیے بعض دیگر شرائط کے ساتھ کبیرہ گناہوں سے بچنے کی جو شرط منظور کر کے قانون میں شامل کی تھی، منصوبہ بندی کے ساتھ اس کے ساتھ عملاً جو حال کیا گیا وہ حکمرانوں، سینٹ ممبروں، قومی و صوبائی اسمبلیوں کے اراکین اور ان کی جعلی ڈگریوں کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ مرحوم کی یہ کوششیں جن کی ان کے حاصل شدہ اختیارات کے مطابق شاید کچھ حیثیت نہ ہو، تاہم آئین پاکستان میں ان کی یہ بنیادی تبدیلیاں قبول یا رائج کر دی جاتیں تو شاید اس کو منزل کی طرف پہلا قدم کہا جاسکتا تھا لیکن اب تو۔

ہمارے ہاں کی سیاست کا حال مت پوچھو طوائف گھری ہوئی تماش بیبیوں میں

تفسیر سورہ فاطر

مولانا ارشاد الحق اثری

بلکہ یہ بھی کہا کہ فرشتہ وحی لے کر ہمارے اوپر کیوں نہیں آیا۔
(الفرقان: ۲۱) محمد ﷺ پر ہی کیوں آتا ہے۔ یہی ”استکبار“ پہلا جرم
تھا جو شیطان سے سرزد ہوا تھا، چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب
آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تو شیطان نے سجدہ سے انکار کر دیا،
فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا إِبْلِيسَ ط
اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ط﴾ [ص: ۷۴، ۷۳]
”پس تمام فرشتوں، سب کے سب نے سجدہ کیا سوائے
ابلیس کے، اس نے تکبر کیا اور کافروں سے ہو گیا۔“

پھر ہر دور میں اسی کے متکبر پیروکاروں نے انبیاء کرام اور دین حق
کا انکار کیا۔ یہودی بھی اسی تکبر میں مارے گئے کہ محمد ﷺ بنو اسماعیل
میں سے ہی کیوں نبوت کے لیے منتخب ہوئے۔ بلکہ انبیاء کرام کے
بارے ان کی عمومی روش یہ تھی:

﴿اَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ رَبِّكُمْ اَنْفُسُكُمْ
اِسْتَكْبَرْتُمْ ط فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُوْنَ ط﴾

[البقرة: ۸۷]

”پھر کیا جب کبھی کوئی رسول تمہارے پاس وہ چیز لے کر آیا
جسے تمہارے دل نہ چاہتے تھے، تم نے تکبر کیا تو ایک گروہ کو
جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔“

مشرکین و کفار تو اسی استکبار میں مارے گئے اور قرآن پاک میں
جا بجا ان کی تردید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تکبر اچھا لباس
پہننا نہیں بلکہ تکبر ((بطر الحق و غمط الناس)) ”حق کو
رد کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا“ ہے۔ اس وضاحت کے ساتھ ہی

﴿اِسْتَكْبَرًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ط وَ لَا يَجِئُ
الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاٰهْلِيْهِ ط فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّةَ
الْاَوَّلِيْنَ ط فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ط وَ لَنْ تَجِدَ
لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ط﴾ [الفاطر: ۴۳]

”زمین تکبر کی وجہ سے اور بری تدبیر کی وجہ سے اور بری
تدبیر اپنے کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں گھیرتی۔ اب یہ
پہلے لوگوں سے ہونے والے طریقے کے سوا کس چیز کا انتظار
کر رہے ہیں؟ پس تو نہ کبھی اللہ کے طریقے کو بدل دینے کی
کوئی صورت پائے گا اور نہ کبھی اللہ کے طریقے کو پھیر دینے
کی صورت پائے گا۔“

اس آیت کی ابتدا میں مشرکین کے نفور و اعراض کا اصل سبب ذکر
ہوا ہے کہ ان کی آرزوؤں کے مطابق اللہ نے رسول بھیجا۔ دلائل
و براہین اور واضح معجزات کے باوجود ان کی دین حق سے نفرت کا اصل
سبب ان کا ”استکبار“ ہے۔ وہ یہ بات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے
کہ ہماری سیادت و قیادت ختم ہو جائے اور سب محمد رسول اللہ ﷺ کو
قائد تسلیم کر لیں۔ خاندانی رقابت اس پر مستزاد تھی۔ جیسا پہلے ہم آیت
نمبر (۴) کے تحت ذکر کر آئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو یتیم سمجھ کر بھی
آپ ﷺ کی اطاعت قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ وہ برملا
کہتے تھے:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا نَزَلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ
الْقَرِيْنَٰتَيْنِ عَظِيْمَ﴾ [الزخرف: ۳۱]

”اور انھوں نے کہا: یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے کسی
بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟“

یعنی یہ تو رسول کی دعوت کو قبول کر کے ہدایت میں دوسری امتوں سے آگے بڑھنے کے مدعی تھے مگر جب رسول آیا تو ان سے بگڑ گئے اور تکبر سے ان کا انکار کرنے لگے اور اس کے خلاف بری سازشیں اور تدبیریں کرنے لگے جیسا کہ پہلے آیت نمبر (۱۰) کے تحت ان کی سازشوں کا ذکر ہم کر آئے ہیں۔ ”مکر“ کا اطلاق چھ معنوں میں بھی ہوتا ہے، اس لیے اس کے ساتھ ”السیی“ کا لفظ ان کی بری سازشوں کی طرف اشارہ ہے۔

بعض نے کہا ہے: ﴿اِسْتَكْبَرًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ﴾ حال ہے۔ (البحر) یعنی یہ ”نفور“ تکبر اور سازشوں کے ساتھ ہے۔ جس سے ان کے ”نفور“ کی شدت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ علیحدہ ہو کر بیٹھ نہیں گئے بلکہ انھوں نے بڑے تکبر کا مظاہرہ کیا، رسول اللہ ﷺ کے خلاف مکروہ جال بچھائے حتیٰ کہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔

﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ﴾ حالانکہ حقیقت یہ ہے حق کے خلاف جو سازش کرتا ہے اس کا خمیازہ خود اسی کو جھگلتا پڑتا ہے، حق کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔ جو کسی کے لیے کنواں کھودتا اور سازشوں کا جال بٹاتا ہے وہ خود اس میں پھنس جاتا ہے۔ جلیل القدر تابعی محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں: یہ تین کام کرنے والا نجات نہیں پاتا، ان کا وبال خود اسی پر پڑتا ہے: مکر، بغی (بغاوت)، نکث (عہد توڑنا)۔ مکر و فریب کے بارے میں تو اسی آیت میں وضاحت ہے کہ کسی کے لیے برا مکر کرنے والا خود اس میں پھنستا ہے۔ اسی طرح ”بغی“ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ﴾

[یونس: ۲۳]

”اے لوگو! تمھاری سرکشی تمھاری جانوں ہی پر ہے۔“

اسی طرح ”نکث“ کے بارے میں فرمایا:

﴿فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ﴾ [الفتح: ۱۰]

”پھر جس نے عہد توڑا تو درحقیقت وہ اپنی ہی جان پر عہد

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة

من كبر .)) (مسلم: ۱۴۷ عن ابن مسعود)

”جس کے دل میں مثقال برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔“

اس لیے کسی صحیح اور سچی بات کا انکار اور کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنا تکبر ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ط وَلَيْسَ الْبَوَّادُ﴾ [البقرة: ۲۰۶]

”اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اس کی عزت اسے گناہ میں پکڑے رکھتی ہے، سو اسے جہنم ہی کافی ہے اور یقیناً وہ برا ٹھکانہ ہے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

”إن من أكبر الذنوب عند الله أن يقول الرجل لأخيه: اتق الله . فيقول: عليك بنفسك ، أنت تأمرني!“ (ابن المنذر، طبراني، بیہقی فی الشعب بحوالہ فتح القدیر: ۲۰۹/۱)

”اللہ کے ہاں گناہوں میں بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے بھائی سے کہے: اللہ سے ڈر، تو وہ کہے: تم اپنی فکر کرو۔ تم مجھے حکم دیتے ہو!“

گویا وہ اپنی عزت کے منافی سمجھتا ہے کہ کوئی اسے گناہ سے روکے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرے بلکہ اٹا اسے حقیر سمجھتے ہوئے کہتا ہے کہ تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے ٹوکنے والے۔ یہی وہ تکبر ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے خبردار کیا ہے۔ اور یہی بالآخر انسان کو کفر و شرک میں مبتلا کر دیتا ہے۔

﴿وَمَكْرَ السَّيِّئِ﴾ ”اور بری تدبیر“ جو وہ رسول اللہ ﷺ کو زک پہنچانے کے لیے کرتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ﴿اِسْتَكْبَرًا﴾ فی الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ بدل ہے ”نفور“ سے۔ (البحر)

توڑتا ہے۔“

امام ابن ابی حاتم نے ابو زکریا الکوفی سے نقل کیا ہے کہ ایک صاحب نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی کہ مکاریوں سے پرہیز کرو۔ مکر کا وبال مکار پر ہی پڑتا ہے اور اس کی جواب دہی اللہ کے ہاں ہوگی۔ (ابن کثیر: ۴۱/۳)

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بعض اوقات مکر و فریب اور بری سازش کرنے والے کی سازش کامیاب ہو جاتی ہے اور اس کا نقصان بھی دوسرے کو پہنچتا ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ بے گناہ کے خلاف ظالم کے ظلم کا وبال ظالم کو عمل مکافات کے طور پر پہنچتا ہے مگر ظالم اس کا احساس نہیں کرتا اور نہیں سمجھتا کہ میرا یہ نقصان میرے کسی ظلم کا نتیجہ ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ انجام کار اور آخرت کے اعتبار سے ہے۔ ظلم و تعدی کرنے والا تو کسی کی دنیا خراب کرتا ہے، مظلوم اس پر صبر کرے تو اسے اجر ملتا ہے اور ظالم کا نقصان آخرت میں عذاب کی صورت میں ہے جو دنیوی نقصان سے بہر نوع زیادہ ہے۔ جیسے دنیا کافر کے لیے راحت ہے اور مسلمان کے لیے مشکل ہے۔ بعد کے جملے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

﴿فَهَلْ يَنْظُرُونَ﴾ کیا یہ پہلے لوگوں سے ہونے والے طریقے کے سوا کسی طریقے کا انتظار کر رہے ہیں۔ پہلے لوگ اللہ کے رسول کی نافرمانی کے نتیجے عذاب میں مبتلا ہوئے تو کیا یہ بھی اسی انتظار میں ہیں کہ اللہ کا عذاب کب آتا ہے بلکہ وہ تو خود اللہ سے عذاب کا مطالبہ کرتے اور کہتے تھے:

﴿اللَّهُمَّ إِنَّكَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا بِعَذَابٍ آلِيمٍ﴾

[الأنفال: ۳۲]

”اے اللہ! اگر صرف یہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔“
مشرکین کے ترمذ و عناد کی حد دیکھیے کہ یہ نہیں کہتے کہ اگر یہی حق

ہے جو محمد ﷺ کہتے ہیں اور واقعی اللہ کے سوا کوئی معبود اور حاجت روا نہیں تو ہماری حق کی طرف راہنمائی فرما اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب مسلط کر دے اور آسمان سے پتھروں کی بارش برساکے ہمیں نیست و نابود کر دے۔ ہم یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ تیرا کوئی شریک نہیں۔ ان بزرگوں کی یوں تو بین ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ط وَلَا أَجَلَ مُسَمًّى

لَآجَأَهُمُ الْعَذَابُ ط﴾ [العنکبوت: ۵۳]

”اور وہ تجھ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر

ایک مقرر وقت نہ ہوتا تو ان پر عذاب ضرور آ جاتا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے مطالبہ عذاب کے باوجود عذاب میں تاخیر اس لیے ہے کہ میرا رسول ان میں موجود ہے اور ہمارا ضابطہ اور اصول یہ رہا ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ط وَمَا كَانَ اللَّهُ

مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ [الأنفال: ۳۳]

”اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ انھیں عذاب دے جب کہ تُو ان

میں ہو اور اللہ انھیں کبھی عذاب دینے والا نہیں جب کہ وہ

بخشش مانگتے ہوں۔“

تمام انبیائے کرام ﷺ کی امتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا کہ جب تک وہ اپنی امت میں موجود رہے عذاب سے بچے رہے جیسے حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام اور ان کی امتیں۔
مشرکین کہہ کے مطالبہ عذاب کے جواب میں ایک تو یہی بات فرمائی گئی ہے کہ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے عذاب نہیں آئے گا۔ دوسرا جواب یہ کہ جب تک وہ توبہ و استغفار کرتے رہیں تب بھی عذاب نہیں آئے گا، چنانچہ مکہ مکرمہ میں ہجرت مدینہ کے بعد ایک تو وہ ضعیفاء صحابہ کرام تھے جو استغفار کرتے تھے، دوسرے خود مشرکین تھے جو طواف کے دوران میں ”غفرانک غفرانک“ کہتے تھے۔ (ابن

﴿وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ﴾

[الرعد: ۱۱]

”اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی کا (یعنی ان کے بُرے انجام کا) ارادہ کر لے تو اسے ہٹانے کی کوئی صورت نہیں۔“

اس لیے یہ ابھی تک بچے ہوئے ہیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے طریقے اور فیصلے کے مطابق بچے ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ کے جیتے جی کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا اور جب تک استغفار کرتے رہیں گے تب بھی عذاب نہیں آئے گا۔ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ جس عذاب کی نفی کا ذکر ہے وہ عذاب استیصال ہے جس میں پوری منکر قوم کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ جزوی اور کم تر درجے کے عذاب و مواخذے کی نفی مراد نہیں۔

ابی حاتم، ابن کثیر: ۴۰۳/۲) اس لیے ان پر سابقہ امتوں کی طرح کا عذاب استیصال تو نہیں آیا، البتہ صحابہ کرام کے ہاتھوں وہ تہ تیغ ہوئے اور ان کا غرور خاک میں مل گیا۔

یہاں بھی ان کے اسی مطالبہ عذاب کے تناظر میں فرمایا گیا ہے کہ وہ کیا سابقہ امتوں کے انجام کی طرح اسی سنت اللہ کے انتظار میں ہیں کہ اگر وہ تباہی و بربادی سے دوچار ہوئے ہیں تو رسول کی تکذیب میں یہ بھی تباہ کر دیے جائیں، سن لو ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ اللہ کے طریقے کو بدل دینے کی اور پھیر دینے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ آج بھی اسی طرح جاری و ساری ہے جیسے پہلے تھا۔ جب وہ وقت آئے گا تو نہ کوئی اسے روک سکے گا اور نہ ہی اس کا رخ بدل سکے گا۔ جو مستحق ہوگا وہی پکڑا جائے گا اور اپنے عمل کی سزا پائے گا:

طبع اول (۱۹۵۶ء)
طبع دوم (۲۰۱۰ء)

حجیت حدیث نمبر ہفت روزہ الاعتصام

ہفت روزہ الاعتصام کے حجیت حدیث نمبر کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔ یہ نمبر موضوع اور مضامین کے تنوع کے اعتبار سے اس لائق ہے کہ اسے ہر حلقہ میں پہنچایا جائے۔ فاضل مضمون نگاروں نے نہایت محنت اور تحقیق سے اس کے مضامین تحریر فرمائے ہیں۔ اپنی گونا گوں خصوصیات کے لحاظ سے اور انکار حدیث کی رہ رہ کر اٹھتی لہروں سے نپٹنے کے لیے یہ علمی دستاویز اس قابل ہے کہ جماعت کے ذمہ دار حضرات، مساجد کے خطباء کرام، پڑھے لکھے تاجر و صنعتکار احباب سکولوں، کالجوں، سرکاری لائبریریوں، اساتذہ، پروفیسروں اور اصحاب علم و تحقیق تک اس کو پہنچائیں خصوصاً مدارس دینیہ کے منتہی طلباء کو یہ تحفہ پیش کریں تاکہ طلباء اس سے مستفید ہو کر فتنہ انکار حدیث کے ہر پہلو سے آشنا ہو کر خدام حدیث کی سنہری لڑی میں شامل ہو جائیں۔

حالیہ اشاعت الاعتصام کے موجودہ سائز پر طبع کی گئی ہے جو تین صد سے زائد صفحات پر مشتمل اور چہار رنگ ٹائٹل سے مزین ہے۔ ہم نے اس میں اشتہارات دے کر قارئین کے علمی ذوق کو مجروح نہیں کیا۔ اس نمبر میں ہر فاضل مضمون نگار کا مختصر تعارف مضمون کے شروع میں دینے کی جدت بھی مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ نے ایجاد کی تھی جن کو اب موجودہ حالات کے مطابق مکمل کر دیا گیا ہے۔

قیمت 360 روپے

کمپیوٹر کمپوزنگ ○ عمدہ سفید کاغذ ○ چہار رنگ ٹائٹل سے مزین جلد

توفیق الباری

”الادب المفرد“ للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات و فوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکروں ٹالامار باغ۔ لاہور)

”حضرت ابو زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت جابر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کر، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک و طیب تحفہ ہے۔ پھر اس بات کی تائید میں اس آیت کی تلاوت فرمائی: جب تم کو کوئی تحفہ دے تو تم اس سے اچھایا ویسا ہی تحفہ دو۔“
باب: إذا لم يذكر الله عند دخوله البيت يبيت فيه الشيطان جس گھر میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے اس گھر میں شیطان رات بسر کرتا ہے

۱۱۲۸. عن جابر، أنه سمع النبي ﷺ يقول: ((إذا دخل الرجل بيته فذكر الله عز وجل عند دخوله وعند طعامه، قال الشيطان: لا مبيت لكم ولا عشاء، وإذا دخل فلم يذكر الله عند دخوله، قال الشيطان: أدر كنتم المبيت، وإن لم يذكر الله عند طعامه قال الشيطان: أدر كنتم المبيت والعشاء.)) (صحیح مسلم)

حضرت جابر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: اس گھر میں تمہارے لیے نہ رات بسر کرنے کی گنجائش ہے اور نہ ہی کھانے کو کچھ ملے گا۔ اور اگر کوئی شخص گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا اور کھانا کھاتے وقت بھی بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان

باب: فضل من دخل بيته بسلام
اس کی فضیلت جو گھر میں سلام کر کے داخل ہو
۱۱۲۶. أن أبا أمامة قال: قال النبي ﷺ: ((ثلاثة كلهم ضامن على الله إن عاش كفي، وإن مات دخل الجنة: من دخل بيته بسلام، فهو ضامن على الله عز وجل، ومن خرج إلى المسجد فهو ضامن على الله عز وجل، ومن خرج في سبيل الله فهو ضامن على الله.)) (سنن أبي داود)

حضرت ابو امامہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تین شخص ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں، اگر زندہ رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیاوی ضروریات پوری کرتا ہے اگر مر جائیں تو جتنی ہیں: جو شخص سلام کر کے گھر میں داخل ہو وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے، جو شخص مسجد کی طرف چلا وہ اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں ہے اور جو جہاد کے لیے نکلا وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے۔“

۱۱۲۷. عن أبي الزبير، أنه سمع جابرا يقول: إذا دخلت على أهلك فسلم عليهم تحية من عند الله مباركة طيبة. قال: ما رأيته إلا توجيه قوله: ﴿وَإِذَا حَيَّيْتُمْ بِتَحِيَةٍ فَحْيُوا بِأَحْسَنِ مِنْهَا أَوْ رَدُّهَا﴾ (صحیح الإسناد)

۱۱۳۱ . عن عطاء قال: كان ابن عمر يستأذن في ظلة البزاز . (صحیح الإسناد)

”حضرت عطاء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کپڑا فروش کے سائبان میں داخل ہوتے وقت اجازت لیتے تھے۔“

باب: کیف يستأذن على الفرس؟

اہل فارس سے کیسے اجازت لینے چاہیے

۱۱۳۲ . عن أبي عبد الله المملك مولى أم مسكين بنت [عمر بن] عاصم بن عمر بن الخطاب قال: أرسلتني مولاتي إلى أبي هريرة فجاء معي، فلما قام بالباب قال: اندرائيم؟ قالت: اندرون، فقلت: يا أبا هريرة! إنه يأتيني الزور بعد العتمة، فأحدث؟ قال: تحدثني مالم توتري، فإذا أوترت فلا حديث بعد الوتر . (ضعيف الإسناد)

”حضرت ابو عبد الملک، جو ام مسکین بنت عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں، بیان کرتے ہیں کہ مجھے ام مسکین رضی اللہ عنہا نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے بھیجا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میرے ساتھ ہی چلے آئے۔ دروازے پر پہنچ کر (فارسی زبان میں) کہا: اندر انیم؟ (کیا میں اندر آ جاؤں؟) تو انھوں نے جواب میں کہا: اندرون، (اندر آ جاؤ۔) پھر انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابو ہریرہ! میرے پاس عشاء کے بعد ملنے والی عورتیں آ جاتی ہیں، کیا میں ان سے باتیں کر سکتی ہوں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس وقت تک باتیں کر سکتی ہو جب تک تم وتر نہیں پڑھ لیتی۔ جب وتر پڑھ لو تو اس کے بعد باتیں کرنا مناسب نہیں۔“

کہتا ہے: یہاں تمھارے لیے رات بسر کرنے اور کھانے پینے کا سب کچھ موجود ہے۔“

باب: ما لا يستأذن فيه

وہ مقام جہاں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی

۱۱۲۹ . عن أعين الخوارزمي قال: أتينا أنس بن مالك وهو قاعد في دهلزة وليس معه أحد فسلم عليه صاحبي وقال: أدخل؟ فقال أنس: ادخل، هذا مكان لا يستأذن فيه أحد، فقرب إلينا طعاماً فأكلنا، فجاء بعس نبذ حلو فشرب وسقنا . (ضعيف الإسناد)

”حضرت اعین خوارزمی سے روایت ہے ہم حضرت انس بن مالک کے پاس آئے۔ وہ گھر کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس کوئی نہیں تھا۔ میرے ساتھی نے انھیں سلام کیا اور کہا: کیا میں اندر آ جاؤں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آ جاؤ۔ یہ ایسی جگہ ہے جہاں اجازت کی ضرورت نہیں (کیونکہ باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔) پھر انھوں نے ہمارے سامنے کھانا پیش کیا۔ ہم نے کھانا کھایا، پھر نبذ کا پیالہ لائے اس میں میٹھی نبذ تھی۔ انھوں نے خود بھی پی اور ہمیں بھی پلائی۔“

باب: الاستئذان في حوانيت السوق

بازار کی دکانوں میں داخلے کی اجازت

۱۱۳۰ . عن مجاهد قال: كان ابن عمر لا

يستأذن على بيوت السوق . (صحیح الإسناد)

”حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار کی دکانوں میں داخلے کی اجازت نہیں لیتے تھے۔“

مسند الإمام أبي حنيفة للحارثي

ایک تجزیہ و تبصرہ

مولانا ارشاد الحق اثری (ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد)

ایک ضروری وضاحت:

تین سو میں سے صالح بن احمد قیراطی کی یہ ۱۶ روایات ہیں۔ ان کے علاوہ یہ بات بجائے خود غور طلب ہے کہ استاد حارثی صالح بن ابی ریح سے بھی بہ کثرت روایات لائے ہیں۔ اور وہ مجہول ہے اور اکثر اس کی روایات کو ”کتب إلی صالح بن أبي رُميح“ کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں، اور کبھی صرف ”کتب إلی صالح“ کہتے ہیں۔ پس کیا یہاں بھی ابن ابی ریح ہی مراد ہیں؟ قطعاً نہیں بلکہ اس سے یہی صالح بن احمد قیراطی مراد ہوتا ہے، جیسا کہ استاد حارثی نے حدیث نمبر (۴۱) میں یہی کہا ہے: ”کتب إلی صالح“ اور اس روایت کے الفاظ ہیں:

”بئس البيت الحمام، بيت لا يستر، وماء لا يطهر.“

اور یہی وہ روایت ہے جسے حافظ ذہبی نے صالح بن احمد بن ابی مقاتل قیراطی کے ترجمے میں استاد حارثی کی اسی مسند ابی حنیفہ سے نقل کیا ہے اور فرمایا ہے:

”هذا من اختلاف صالح.“ (میزان: ۲/۲۸۷)
”یہ صالح کی گھڑی ہوئی روایت ہے۔“

اس لیے اس مسند میں جہاں ”کتب إلی صالح“ سے روایات منقول ہیں ان میں اگر یہی صالح قیراطی مراد لیا جائے تو پھر اس کی تعداد سولہ سے بڑھ جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو ارقام: ۱۷، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۶، ۶۱، ۱۸۱، ۱۵۳، ۱۵۴۔ اور یوں یہ تعداد بچپس ہو جاتی ہے۔

محمد بن صالح بن عبد اللہ الطبری:

یہ بھی استاد حارثی کے استاد محترم ہیں۔ ان کے بارے میں حافظ

ذہبی لکھتے ہیں:

”ليس بذاك، اتهم بالكذب.“

ابو جعفر الصغار کہتے ہیں: ”رے“ میں اس کا حال منکشف ہو گیا۔ ابن ابی حاتم نے پہلے اس کا اکرام کیا مگر جب اس کی حالت ظاہر ہو گئی تو اسے ”رے“ سے نکال دیا۔ اور اس کی حالت بری ہو گئی۔

(میزان: ۲/۵۸۱، لسان: ۵/۲۰۰)

اسی طبری سے استاد حارثی نے احادیث ارقام: (۶۸، ۶۹، ۱۱۸، ۱۲۰) روایت کی ہیں۔ متہم بالکذب اور مشکوف الحال راوی کا حکم کیا ہے اور ایسے راوی کی بیان کی گئی سند و حدیث کا حکم کیا ہے، اہل علم سے مخفی نہیں۔ ایسے راوی کی بیان کردہ اسانید سے امام صاحب کی روایت ثابت کرنا بہر حال درست نہیں۔

محمد بن ابراہیم بن زیاد الرازی:

یہ بھی استاذ حارثی کے شیخ ہیں۔ امام ابو احمد حاکم نے اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ امام دارقطنی اسے ”متروک“ کہا ہے، نیز اسے ”دجال، يضع الحديث“ بھی کہا ہے۔ حافظ ذہبی اس کے ترجمے میں ایک روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”هذا باطل“ ”یہ باطل ہے۔“ خطیب بغدادی نے پہلے ایک حدیث ”محمد بن موسیٰ النہر تیری ثنا عبد الکریم بن أبی عمیر، حدثنا الولید بن مسلم، أخبرني الأوزاعي وعيسى بن يونس عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة“ کی سند سے ذکر کی ہے جس کے الفاظ ہیں: ”الإمام ضامن.“ پھر یہی روایت محمد بن ابراہیم رازی سے نقل کی ہے کہ اس نے کہا:

فرماتے ہیں کہ ایک نسخے میں بشر بن اسحاق ہے مگر وہ خطا ہے۔
(حاشیہ: ۵۵۴/۲، نیز دیکھیے: ۲۲۲/۱)

مگر مجال ہے کہ یہ بتلائیں کہ یہ اسحاق بن بشر کیسے ”بزرگ“ ہیں۔ جب کہ امام علی بن مدینی نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ امام دارقطنی نے ”کذاب، متروک“ کہا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں: اس کی حدیث لکھنا حلال نہیں، تعجب کے طور پر یہی حدیث لکھی جاسکتی ہے۔ محمد بن عمر الدار بجدی نے کہا کہ وہ ثقہ ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں: کسی نے بھی اس کی توثیق کی طرف التفات نہیں کیا کیونکہ ابوحنیفہ کی حالت سے تو اندھے بھی واقف ہیں۔ امام مسلم نے کہا ہے: لوگوں نے اس کی حدیث ترک کر دی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی اسے ”کذاب“ کہا ہے بلکہ ابن جوزی نے الموضوعات میں کہا ہے: اس کے کذاب ہونے پر اجماع ہے۔ نقاش نے ”یضع الحدیث“ کہا ہے اور حافظ خلیل نے بھی کہا ہے کہ وہ وضع حدیث سے متہم ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث سنداً یا متنً ”منکر“ ہیں۔ خطیب بغدادی نے ”غیر ثقہ“ اور ازدی نے ”متروک، ساقط، رمی بالکذب“ کہا ہے۔ (میزان: ۱/۱۸۴، لسان: ۱/۳۵۴) علامہ حلبی نے بھی الكشف السحیث (ص: ۹۰) میں اسے ذکر کر کے اس کے وضاع اور کذاب ہونے کا اظہار کیا ہے۔ ایسے کذاب اور وضاع کے توسط سے ”مسند الامام ابی حنیفہ“ مرتب کرنا استاذ حارثی کا بلاشبہ بڑا کارنامہ ہے۔

محمد بن القاسم النخعی ابو جعفر الطایکانی:

استاذ حارثی نے ایک اور دو واسطوں سے اس کی روایات بیان کی ہیں، ملاحظہ ہو ارقام: ۱۵۶، ۴۰۱، ۱۳۸۱، ۱۳۸۷، ۱۳۸۹۔ امام ابن حبان نے کہا ہے:

”وہ اہل خراسان سے ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جنہیں کتابوں میں ذکر کرنا حلال نہیں تو اس کی روایات سے شغل رکھنا کیونکر حلال ہے! وہ ایسی روایات ذکر کرتا ہے جن کے باطل ہونے کی گواہی امت دیتی ہے اور ان کے ثبوت کی نفی

”حدثنا عبدالرحمن بن یونس عن الولید عن الأوزاعي عن سفیان الثوري عن الأعمش به.“
خطیب اس حدیث کی یہ سند نقل کرے لکھتے ہیں:

”أما الحديث الثاني فلا أعرف له وجهاً، ولم أكتبه إلا من هذا الطريق عن محمد بن إبراهيم الرازي، وأراه مما صنعت يده. وأما الحديث الأول فهو محفوظ من رواية أبي عبد الله محمد بن موسى النهرتيري وكان النهرتيري قد عرف به، وتفرد بروايته عن عبد الكريم بن أبي عمير وحده عن الوليد. ولا أشك أن محمد بن إبراهيم سرقه منه، فرواه عن عبد الكريم وأضاف إليه عبد الرحمن بن يونس.“ (تاریخ بغداد: ۱/۳۰۶)

خلاصہ کلام یہ کہ ”الإمام ضامن“ حدیث کی دوسری سند محمد بن ابراہیم رازی کی بناوٹی ہے۔ اس سند میں عبدالکریم بن ابی عمیر مفرد ہے اور اس سے روایت محمد بن موسیٰ کی معروف ہے۔ محمد بن ابراہیم نے دراصل یہ محمد بن موسیٰ سے چرا کر اس میں عبدالرحمن بن یونس کا اضافہ کر دیا۔ خطیب بغدادی نے یہی بات مختلف الفاظ میں تاریخ بغداد (۲۳۲/۳) میں بھی کہی ہے اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان (۵۲/۳-۲۳۲/۵) میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اس سے محمد بن ابراہیم کا وضاع اور متروک ہونا نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ استاذ حارثی نے ابتدائی تین سوا حدیث میں سے حدیث نمبر ۳۴ اور ۱۸۹ اُسی سے روایت کی ہیں۔ ایسے سارق الحدیث اور وضاع کی بیان کردہ اسانید سے امام ابوحنیفہ کی روایات ثابت کرنا بڑے جڑے کی بات ہے۔

اسحاق بن بشر ابوحنیفہ البخاری:

استاذ حارثی ”إسحاق بن بشر عن أبي حنيفة“ سے بھی روایات لائے ہیں۔ مولانا قاسمی ایک جگہ حاشیہ میں یہ تو وضاحت

کرتی ہے۔“

امام حاکم کہتے ہیں: وہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ اس نے نيساپور اور مکہ جاتے ہوئے موضوع روایات بیان کی ہیں۔ امام ابو نعیم نے بھی کہا ہے کہ اس نے نيساپور اور طریق مکہ میں مناکیر بیان کی ہیں۔ جوزقانی فرماتے ہیں: وہ جھوٹ بولتا اور حدیثیں گھڑتا تھا۔ (المجروحین: ۳۱۱/۲، میزان: ۱۲۰/۴، لسان: ۳۴۳/۵، الضعفاء لأبي نعیم، ص: ۱۴۵، الضعفاء لابن الجوزي: ۹۳/۳، الكشف الحثيث، ص: ۴۰۰ وغیرہ)

بلکہ حافظ ذہبی نے کہا ہے:

”قال عبد الله الأستاذ في المسند جمعه: حدثنا أحمد بن محمد بن سعيد الهمداني حدثنا محمد بن أحمد الطالقاني حدثنا محمد بن القاسم أبو جعفر الطايقاني حدثنا أبو مقاتل عن أبي حنيفة عن إسماعيل بن عبد الملك عن أبي صالح عن أم هانئ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن لله مدينة من مسك إلخ“

حافظ ذہبی استاذ عبد اللہ حارثی کی مسند سے یہ اور اس کے علاوہ مزید آٹھ روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”فهذا من اختلاق الطايقاني مع أن شيخه حفصًا كذب.“

”یہ طایقانی کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ اس کا شیخ حفص (بن سلم ابو مقاتل) بھی جھوٹا ہے۔“

یہ وہی روایات ہیں جن کی نشاندہی (احادیث ۱۳۸۱ سے ۱۳۸۹ تک) اوپر ہم نے کی ہے۔ جناب علامہ قاسمی صاحب کی شرافت و دیانت دیکھیے کہ انھوں نے ان احادیث کی حسب روایت تخریج تو کیا کرنا تھی، محمد بن قاسم کے بارے میں علامہ ذہبی کی اس وضاحت پر بھی خاموش ہیں۔

علامہ ذہبی نے اس کی ایک اور موضوع روایت کا بھی ذکر کیا ہے بلکہ امام ابو نعیم نے مسند الامام ابی حنیفہ (رقم: ۵۴) میں بھی اسی محمد بن قاسم سے اسی سند کے ساتھ ایک حدیث ذکر کی ہے جس کے بارے میں مولانا عبدالشہید نعمانی فرماتے ہیں:

”لم أجد فيما لدي من المراجع.“

”جو میرے اپس مراجع میں ان میں نے یہ حدیث نہیں پائی۔“ امام ابو نعیم نے فرمایا ہے: محمد بن قاسم ”لیس بشيء، متروك“ ہے۔

یہاں یہ لطیفہ بھی دیکھیے کہ اسی الطایقانی سے مسند میں ایک حدیث (رقم: ۱۵۶) ہے جس کی تخریج سے علامہ قاسمی خاموش ہیں۔ حدیث نمبر (۴۰۱) بھی اسی سے منقول ہے۔ علامہ قاسمی اس کے بارے میں شیخ محمد عابد سندھی کی ”المواهب اللطيفة“ سے نقل کرتے ہیں:

”قد تتبعت لكن لم أجد طريق ابن عمر.“

”میں نے تتبع کیا مگر ابن عمر کی حدیث نہیں ملی۔“

علامہ قاسمی صاحب حسب روایت فرماتے ہیں: یہ عبد اللہ بن عمرو سے ہے اور اس باب میں فلاں فلاں صحابی سے بھی روایت ہے۔ (حاشیہ مسند: ۱/۳۱۸) مگر مجال ہے کہ یہ فرمائیں کہ یہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے کہاں سے آئے گی، یہ تو محمد بن قاسم کی بنائی ہوئی سند سے ہے!

ابو مقاتل حفص بن سلم سمرقندی:

ان احادیث میں محمد بن قاسم کا استاد ابو مقاتل بھی جھوٹا راوی ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے اس کے شاگرد محمد بن قاسم کے ترجمے میں کہا ہے۔ امام وکیع اور عبد الرحمن بن مہدی نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ امام حاکم وغیرہ نے کہا ہے: وہ موضوع احادیث بیان کرتا ہے۔ ابواسحاق جوزجانی فرماتے ہیں کہ وہ اچھے کلام کے لیے سند بنا لیتا تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: میزان: ۱/۵۵۷ اور لسان: ۲/۳۲۲، ۲۲۳ وغیرہ۔ علامہ حلبی نے بھی اسے الکشف الحثيث (ص: ۱۵۲) میں ذکر کر کے اسے وضاعین میں شمار کیا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں

دیا جو اس کی نکارت کی بین دلیل ہے۔
سلم بن سالم:

یہ بھی امام صاحب کے تلمیذ ہیں۔ جناب علامہ قاسمی صاحب نے اس کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ بعض نسخوں میں ”سلم بن سلم“ ہے، ایک نسخے میں سلم بن سالم ہے اور یہی صحیح ہے۔ (مسند: ۱/۱۹۲، رقم: ۱۳۵) جو حدیث اس نے بیان کی ہے اس کے دیگر طرق اور شواہد تو انھوں نے بیان فرمادیئے مگر مجال ہے اس کے بارے میں ایک حرف بھی لکھا ہوا اور بتلایا ہو کہ امام صاحب تک سند کیسی ہے۔

عرض ہے کہ یہ سلم بن سالم گو بڑے عابد زاہد بزرگ تھے مگر محدثین کے نزدیک ضعیف تھے۔ حتیٰ کہ امام یحییٰ بن معین نے اسے ”ضعیف، لبس بشیء“ کہا ہے۔ امام احمد نے ”لبس بذاك“ اور امام ابو زرہ نے فرمایا: ”لا یکتب حدیثہ“ یعنی اس کی حدیث نہ لکھی جائے، نیز یہ بھی کہا کہ وہ سچا نہیں۔ امام علی بن مدینی، امام نسائی اور ابن سعد نے بھی ضعیف کہا ہے۔ امام ابو داؤد نے ”لبس بشیء“ اور جوز جانی نے ”غیر ثقہ“ کہا ہے۔ حافظ خلیل فرماتے ہیں کہ اس کے ضعف پر اجماع ہے۔ اہل بلخ میں سے اسی نے ان لوگوں کی احادیث روایت کی ہیں جن کا حدیث سے شغل نہیں۔ ابن جوزی نے بھی کہا ہے: محدثین اس کی روایات کے ضعف پر متفق ہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں: وہ ”منکر الحدیث“ ہے، احادیث الٹ پلٹ کر دیتا تھا۔ ابن مبارک اسے جھوٹا کہتے تھے۔ احمد بن سيار کہتے ہیں: اس کی حدیث کی نہ کوئی تکلیل ہے، نہ لگام۔ موضوع حدیث کی مانند ہے۔

اسی سلم بن سالم نے یہ حدیث بیان کی کہ مسور کی تعریف ستر انبیاء کرام نے کی ہے۔ اس کے بارے میں امام عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: بالکل نہیں، ایک نبی نے بھی دال مسور کی تعریف نہیں کی۔ انھوں نے فرمایا: یہ کس نے بیان کی ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ سلم بن سالم نے۔ امام ابن المبارک نے فرمایا: اس نے کس سے روایت کی ہے؟ انھیں بتلایا گیا کہ سلم آپ سے ہی روایت کرتا

شمار ہوتا ہے۔ یہ احادیث محمد بن قاسم یا اس کے اسی استاد کی من گھڑت ہیں کیونکہ دونوں کذاب اور وضاع ہیں۔ ابو مقاتل سے ان احادیث کے علاوہ اور احادیث بھی مسند الامام ابی حنیفہ کی زینت ہیں۔

اسماعیل بن یحییٰ بن عبید اللہ:

یہ بھی امام صاحب کے تلمیذ ہیں جن کے توسط سے استاذ حارثی مسند الامام ابی حنیفہ میں روایات لائے ہیں۔ جس کے بارے میں امام صالح بن محمد جزرہ فرماتے ہیں: ”کان یضع الحدیث۔“ ”وہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔“ ازدی کہتے ہیں: وہ اراکین کذب کا ایک رکن تھا۔ حافظ ابوعلیٰ نیسا بوری اور امام دارقطنی نے بھی اسے کذاب کہا ہے۔ حافظ ابن عدی اس کے ترجمے میں احادیث ذکر کر کے کہتے ہیں: یہ باطل ہیں۔ امام حاکم نے کہا ہے: وہ امام مالک، مسعر اور ابن ابی ذئب سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں: اس کے ترک پر اجماع ہے۔ (میزان: ۲۵۳/۱، لسان: ۴۴۱/۱، ۴۴۲، اکامل: ۱/۲۹۷، ۲۹۸)

اسی کذاب اور وضاع نے ایک حدیث کی سند یوں ذکر کی ہے:

”عن أبي حنيفة عن عمرو بن دينار عن ابن عباس قال: نهينا عن بيع الطعام حتى يقبض.“ (مسند، رقم: ۱۱۸)

مولانا قاسمی صاحب نے اس کی تخریج میں ذکر کیا ہے کہ امام شافعی، امام حمیدی، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابن جارود، امام طحاوی اور امام بیہقی نے یہ حدیث ”سفیان بن عیینہ عن عمرو بن دينار عن طاؤس عن ابن عباس“ کی سند سے ذکر کی ہے۔

عرض ہے: امام سفیان بن عیینہ کے علاوہ امام شعبہ، حماد بن زید اور بشیم بھی اسے طاؤس کے واسطے سے ہی بیان کرتے ہیں جیسا کہ صحیح ابن حبان (۲۲۷/۷)، مسند امام احمد اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔ اور یہ طاؤس کے واسطے سے ہی کتب احادیث میں معروف ہے مگر اسماعیل بن یحییٰ نے امام صاحب سے اسے بغیر واسطہ طاؤس کے بنا

روایات اس پر مستزاد ہیں جو مسند الامام کی زینت ہیں۔ افسوس ہے مسند الامام کے محقق علامہ قاسمی مسند مرویات کے شواہد ومتابعات تو بڑی وسعت سے بیان کرتے ہیں مگر جس سند پر مسند الامام ابی حنیفہ کا دارو مدار ہے اس کے بارے میں بالکل خاموشی اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ ہماری ان گزارشات سے استاذ حارثی کی مسند ابی حنیفہ کی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے۔

قاسمی صاحب کی بے انصافی:

اس ضمن میں یہ بھی دیکھیے کہ استاذ حارثی نے قاسم بن غصن کے واسطے سے بھی امام ابوحنیفہ کی مرویات نقل کی ہیں اور مولانا قاسمی فرماتے ہیں: قاسم کا ترجمہ امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (مسند الامام: ۳۵۱/۱، رقم: ۴۷۵)

حالانکہ امام ابن حبان نے الثقات (۳۳۹/۷) میں اگر اس کا ذکر کیا ہے تو المجروحین میں بھی اس کا ذکر کیا اور کہا ہے:

”كان ممن يروي المناكير عن المشاهير
ويقلب الأسانيد حتى يرفع المراسيل ويُسنَد
الموقوف. لا يجوز الاحتجاج به إذا انفرد.“

(المجروحين: ۲/۲۱۲، ۳۱۳)

”وہ مشاہیر سے منکر روایات بیان کرتا ہے حتیٰ کہ مراسیل کو مرفوع اور موقوفات کو مسند بنا دیتا ہے جب وہ منفرد ہو تو اس سے استدلال جائز نہیں۔“

اب یہ دیانتداری کی کون سی معراج ہے کہ امام ابن حبان کے ایک موقف کو تو ذکر کیا جائے اور دوسرے کو، جو جمہور ائمہ جرح وتعدیل کے موافق ہے، نظر انداز کر دیا جائے! حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی امام ابن حبان رحمہ اللہ کے اس تناقض کا ذکر کیا ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں: ”هو ممن يناقض ابن حبان فيه.“ امام احمد نے بھی فرمایا: ”حدث بأحاديث مناكير.“ یعنی وہ منکر احادیث بیان کرتا ہے۔ امام ابو حاتم نے اسے ”ضعیف“، امام ہزار نے ”لم یکن بالقوي“، امام ابوزرعہ نے ”لیس بقوي“ کہا ہے۔ اور

یہ سن کر انھوں نے فرمایا: مجھ سے روایت کرتا ہے!!! نیز انھوں نے فرمایا: سلم کے سانپوں سے بچو، وہ کہیں ڈس نہ جائیں۔ امام عجل نے کہا ہے: ”لا بأس به.“ امام ابن عدی سے بھی یہی قول حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجر نے وضاحت کی ہے کہ امام ابن عدی نے اسے ”لا بأس به“ نہیں کہا بلکہ اس کی روایات ذکر کر کے کہا ہے۔ اس کی یہ منکر روایات میں نے دیکھی ہیں، اس کی افراد (اور غرائب) ہیں۔ امید ہے کہ اس کی حدیث متحمل ہوگی۔ لہذا اس کی منکرات کے بعد اس کی مفردات کو متحمل قرار دینا اس کی توثیق قطعاً نہیں۔ (میزان: ۱۸۵/۲، لسان: ۶۳/۳، الکامل: ۱۷۳/۳، الإرشاد، رقم: ۱۰۳۸، المجروحین: ۳۴۴/۱، تاریخ بغداد: ۱۴۰/۹)

امام یحییٰ بن معین، امام ابوداؤد، امام ابن المبارک اور امام ابوزرعہ کی شدید جرح کے مقابلے میں امام عجل کی کمزوری توثیق قابل الثقات نہیں۔ اس جیسے متروک اور کذاب راوی کی روایات سے امام ابوحنیفہ کی مسند مزین کرنے میں کون سی معقولیت ہے؟

اسی طرح یحییٰ بن عنبسہ، احمد بن عبد اللہ بن محمد کندی المعروف باللجللاج، احمد بن محمد بن صلت حماني، عبد اللہ بن واقد البوقادہ، نوح بن ابی مریم ابو عصمہ، حسن بن زیاد لؤلؤی، حسین بن حسن بن عطیہ عرفی، خلف بن یاسین زیات، اسحاق بن بشر بخاری، محمد بن ابراہیم بن زیاد رازی، عبد القدوس بن عبد القاهر، سلیمان بن احمد بن عیسیٰ واسطی، محمد بن الفضل بن عطیہ، خارجہ بن مصعب، محمد بن اسحاق بلخی، عثمان بن دینار، محمد بن میسر ابوسعید صغانی، جعفر بن محمد بن مروان، ہشام بن بسطام، محمد بن حمید رازی، محمد بن اشرس سلمی، مروان بن سالم، حبان بن علی، یسع بن طلحہ، احمد بن حرب نیساپوری، قاسم بن غصن، اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ، محمد بن عبد الرحمن قشیری، خلف بن ایوب جیسے ضعیف، منکر الحدیث، متروک، کذاب اور وضاع راویوں سے مسند الامام ابی حنیفہ میں مروی روایات کو امام صاحب کی مرویات باور کرانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ ان متکلم فیہ راویوں کے علاوہ مجاہل کی

کہا ہے کہ اس کی یہ تمام روایات سنداً یا متناً منکر ہیں۔ امام ابن حبان نے کہا ہے: وہ اپنے شہر والوں سے عجائبات روایت کرتا ہے، اس سے استدلال جائز نہیں۔ سوائے معرفت کے اس کی روایت ہی لینا جائز نہیں۔ یہی وہ ہے جس نے ”أبو قتادة عن أبي حنيفة عن عطاء عن أبي هريرة“ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک پر شامی ٹوپی دیکھی ہے۔ (المجروحین: ۳۷۹/۱، ۳۸۰، الکامل: ۱۴۱۸/۴، میزان: ۳۲۳/۲، لسان: ۲۰۰/۳، کشف الحیث عن رمی بوضع الحدیث، ص: ۲۱۳)

ایسے وضاع کے بارے میں جناب علامہ قاسمی صاحب کا فرمانا کہ وہ بس ”ضعیف“ ہے، علم کی کوئی خدمت نہیں۔ راوی ”ضعیف“ اور وضاع کے مابین جو فرق ہے اس سے ایک مبتدی بھی باخبر ہے مگر افسوس علامہ قاسمی صاحب کو یہ فرق محسوس نہیں ہوتا۔ امام ابن حبان نے اس کے ترجمے میں مسند کی ہی روایت ذکر کر کے اس کی پوزیشن مزید واضح کر دی ہے۔ ایسے ہی متعدد کذاہین اور متروکین کی روایات سے مسند الامام ابی حنیفہ مزین ہے۔ رابعاً: قاسمی صاحب نے ضحاک ایسے وضاع کو جہاں ضعیف کہہ کر ضمیر کا بوجھ کم کرنے کی کوشش کی ہے وہاں پر اس کے استاد ابوقتاہ عبد اللہ بن واقد کے بارے میں خاموشی اختیار کر کے اپنے قارئین کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اسے حافظ ابن حجر نے ”متروک“ قرار دیا ہے۔ (تقریب، ص: ۱۹۳)

حافظ ذہبی نے اس کی روایت ذکر کر کے کہا ہے: ”فهو الآفة.“ ”وہی آفت ہے۔“ اور اسی وجہ سے علامہ حلبی نے اسے الکشف الحیث (ص: ۲۵۱) میں ذکر کر کے اسے وضاعین میں شمار کیا ہے۔ امام احمد نے اگرچہ اس کی توثیق کی ہے مگر جمہور محدثین نے اس پر سخت جرح کی ہے اور وہی رائج ہے۔ یہی رجحان حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کا ہے۔ ایسے متروک راویوں سے اغماض اہل علم کا شیوا نہیں۔ (جاری ہے)

امام ساجی، عقیلی، ابن شاپین، ابن الجارود، فسوی، حربی اور دولابی نے ”ضعفاء“ میں ذکر کیا ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے: اس کی احادیث صالح، غرائب اور مناکیر ہیں۔ امام وکیع نے ”لا بأس به“ کہا ہے۔ (میزان: ۳/۳۷۷، لسان: ۴/۴۶۴) حافظ ذہبی نے بھی المعنی (۲/۵۲۱) اور دیوان الضعفاء (ص: ۲۵۰) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: ”ضعفه أبو حاتم وغيره.“ امام دارقطنی نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (السنن: ۱۰۱/۱)

اس جیسے ضعیف اور صاحب مناکیر کے بارے میں صرف اثقات لابن حبان کے حوالے پر اکتفا کرنا قاسمی صاحب کی تحقیق کا کمال ہے۔

اسی طرح یہ بھی دیکھیے استاذ حارثی نے ”الضحاک بن حجوہ أبو حجوہ ثنا أبو قتادة عن أبي حنيفة عن عطاء عن أبي هريرة“ کی سند سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ ”كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم قلنسوة بيضاء شامية.“ (مسند: ۱/۱۲۸، رقم: ۱۵)

اسی روایت کے بارے میں علامہ قاسمی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ ابوالشیخ الاصہبانی نے ”أخلاق النبي“ ﷺ میں یہی روایت ”الضحاک بن حجوہ المنبجی عن عبد الله بن واقد عن أبي حنيفة“ ہی کی سند سے نقل کی ہے اور اس میں ضحاک ضعیف ہے۔ ان کے الفاظ ہیں: ”فيه الضحاک وهو ضعیف.“

اولاً: عرض ہے کہ ضحاک بن حجوہ نہیں بلکہ ضحاک بن جوحہ ہے۔ ثانیاً: استاذ حارثی نے اس کی کنیت ابوجوحہ ذکر کی ہے جبکہ کتب رجال میں عموماً اس کی کنیت ابو عبد اللہ بیان ہوئی ہے۔

ثالثاً: یہ ضحاک ضعیف ہی نہیں بلکہ امام دارقطنی نے کہا ہے: ”كان يضع الحديث.“ یعنی وہ حدیث وضع کرتا تھا۔ امام ابن عدی نے کہا ہے: ”منكر الحديث عن الثقات.“ وہ ثقات سے منکر احادیث بیان کرتا ہے۔ پھر اس کی کچھ روایات نقل کر کے مزید یہ بھی

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور اعداء اسلام

حافظ ریاض احمد عاقب

وہ عمر رضی اللہ عنہ جن کی رب العالمین نے تین مقامات پر موافقت کی۔
(صحیح بخاری: ۴۰۲، صحیح مسلم: ۲۳۹۹)
وہ عمر رضی اللہ عنہ جن کے قلب و لسان پر رب ذوالجلال نے حق
و صداقت جاری کر دیا۔ (ترمذی: ۳۶۸۲ و حسنہ، وأبوداود:
۲۹۶۲، ابن ماجہ: ۱۰۸ و صحیحہ الألبانی فی صحیح أبي
داود: ۲۶۲۳)

وہ عمر رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں خاتم النبیین پیغمبر ﷺ نے فرمایا:
”لو كان من بعدي نبي لكان عمر بن
الخطاب.“ (جامع ترمذی: ۳۶۸۶ و حسنہ
الألبانی فی الصحیحہ: ۳۳۷)
”اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) ہوتا۔“
وہ عمر رضی اللہ عنہ جسے پانے کے لیے محمد عربی ﷺ نے رب العالمین
سے دعا فرمائی۔ (جامع ترمذی: ۳۶۸۳، ۳۶۸۱ و قال:
”حسن صحیح“ و وافقه الألبانی)

غرض عمر فاروق رضی اللہ عنہ کیسی عظیم شخصیت ہیں جن کے فضائل
و مناقب حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے نانا محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے
ہیں۔ آج اس عبقری جرنیل اسلام کے بارے اہل باطل اور اصحاب
ہوئی برے خیالات رکھتے ہیں اور اس جلیل القدر صحابی رسول کو طعن
و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ العیاذ باللہ من خرافاتہم و قز
عبلاتہم۔

مجھے بہت افسوس ہوا جب میں نے گزشتہ شب انٹرنیٹ پر وہ
تصویر دیکھی جس کے نیچے لکھا ہوا تھا: ”عمر بن خطاب“ (استغفر اللہ)

امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، حق و صداقت کی تلوار، اشداء علی
الکفار، جرنیل اسلام، شہید اسلام، مراد مصطفیٰ، مرکز مہر وفا، سر رسول
اللہ ﷺ، مشیر رسول ﷺ، مرد با اصول، خلیفہ رسول ﷺ، فاتح
قیصر و کسریٰ، پیکر اخلاق، مجسمہ عدل و انصاف سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
کی شہادت عظمیٰ کا سانحہ یکم محرم ۲۴ھ بروز ہفتہ کو پیش آیا۔ امیر المومنین
سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی وہ عظیم اور عبقری شخصیت ہو
گزری ہے کہ جس کا رعب و دبدبہ آج بھی اعداء اسلام اور ارباب
کفر پر طاری ہے۔ کون عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

وہ عمر رضی اللہ عنہ جس کو رسالت مآب ﷺ نے ”ملہم“ قرار دیا۔
(صحیح بخاری: ۳۶۸۹، صحیح مسلم: ۴۳۹۸)
وہ عمر رضی اللہ عنہ جسے دیکھ کر شیطان لعین اپنی راہ بدل جاتا۔
(صحیح بخاری: ۳۶۸۳، صحیح مسلم: ۲۳۹۶)
وہ عمر رضی اللہ عنہ جسے رسول اللہ ﷺ نے عبقری قرار دیا۔
(صحیح بخاری: ۳۶۶۴، صحیح مسلم: ۲۳۹۲)
وہ عمر رضی اللہ عنہ جسے محمد مصطفیٰ ﷺ نے شہید کے لقب سے نوازا۔
(صحیح بخاری: ۳۶۷۵، وأبوداود: ۳۶۵۱، ترمذی:
۳۶۹۷، نسائی فی الکبریٰ: ۸۱۳۵)

وہ عمر رضی اللہ عنہ جسے نبی آخر الزماں ﷺ نے جنت کی خوشخبری سنائی۔
(صحیح بخاری: ۲۱۶، صحیح مسلم: ۲۴۰۳)
وہ عمر رضی اللہ عنہ جسے رسول اکرم ﷺ نے اہل جنت کے بوڑھوں کا
سر دار قرار دیا۔ (ترمذی: ۳۶۶۴، ابن ماجہ: ۱۰۰، صحیحہ
الألبانی فی الصحیحہ: ۸۶۴)

”اگر اسلام کی تاریخ میں ایک اور عمر (ﷺ) ہوتا تو روئے زمین پر تاجدارِ مدینہ ﷺ کے دین کے سوا کوئی دوسرا دین نہ ہوتا۔“

حق و صداقت کے ترجمان، داعی قرآن، خلیفہ ذیشان سیدنا عمر فاروق کا رعب و ہیبت ہی اتنی ہے کہ آج بھی عالم کفر کی نیندیں حرام ہیں، اس لیے ان کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں۔ اب میٹ پر اس شاگردِ رسول ﷺ اور مرادِ رسول ﷺ کی تصویر شائع کر کے اپنے خبث باطن کا اظہار کر رہے ہیں۔

میں اربابِ اقتدار اور اصحابِ حق کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ ایسے اعداءِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے خلاف سخت کارروائی کریں جنہوں نے انٹرنیٹ پر عمر فاروق ایسے عظیم خلیفہ راشد کی تصویر شائع کر کے گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اصحابِ رسول ﷺ سے حقیقی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اعداءِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے نجات دلانے، آمین۔



رشتوں کا بندھن اخلاص کے ساتھ

۳۷ سالہ (لڑکا) ایم کام ۳۲ سالہ ایم اے (لڑکی)۔ ۳۰ سالہ انجینئر۔ ۲۴ سالہ بچی (دیوبند مسلک)۔ ۲۶ سالہ لڑکی۔ ۲۲ سالہ ماسٹر جاری ارائیں بچی۔ ۴۰ سالہ مطلقہ۔ ۲۴ سالہ ایم ایس سی بچی۔ ۲۸ سالہ پی ایچ ڈی (جاری)۔ ۲۶ سالہ لیکچرار لڑکا۔ درست کوائف سے رابطہ کریں۔

ملک فخر

0300-4466705 / 0321-7290929

وہ بھی ایک تصویر دیکھ کر بہت سیخ پا ہوا اور سوچا کہ یہ اہل کفر کی کارستانی ہو سکتی ہے۔ یہ اصحابِ ابن سبا جرنیل اسلام کو شہید کر کے بھی راضی نہیں ہوئے۔ مشیرِ رسول ﷺ اور دامادِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ابھی ان کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ اپنی نجی محافل و مجالس میں شہید اسلام کے بارے زبان درازی کرتے ہیں۔ اس پاکیزہ ہستی پر سب و شتم، تنقید و تنقیص اور طعن و تشنیع ان کا دل پسند مشغلہ بن چکا ہے۔ حالانکہ اس مخلص، پاکباز، وفادار اور عادل صحابی رسول ﷺ کی عدالت و ثقاہت مجروح کرنا بجائے خود مذموم فعل ہے۔

لگتا ہے اعداءِ اسلام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس لیے نالاں ہیں کہ انھوں نے عالم کفر کے ایوانوں میں غلغلہ حق پکایا۔ قیصر و کسریٰ کو شکست فاش دی۔ آوازہ اسلام کو جزیرہ عرب کی چار دیواری سے نکال کر ایران و روم کی سرحدوں تک پہنچائی۔ سلطنت اسلام کو وسعت دی۔ رب ارض و سماء کی زمین میں عدل و انصاف کے زریں اصول متعارف کروائے۔ ظلم و ستم کے ستارے ہوئے لوگوں کو ظالم حکمرانوں کے جبر و استبداد سے آزاد کرایا۔ اطرافِ عالم میں کلمہ توحید کا نعرہ حق بلند کیا۔ مشرکین کے خود ساختہ بتوں کو پاش پاش کیا۔ اسلام مخالف طاغوتی طاقتوں کے زعم کو خاکستر کر ڈالا۔ شرق و غرب اور شمال و جنوب میں قرآن و سنت کا بول بالا کیا۔ روئے زمین سے شرک و کفر کا قلع قمع کیا۔ سیف و سنان اور لسان و برہان سے جہاد فی سبیل اللہ جاری رکھا۔

یہ لوگ اس لیے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہیں کیونکہ انھوں نے دین اسلام کی نشر و اشاعت کا قریہ قریہ، گلی گلی، شہر شہر، مگر مگر بندوبست کیا۔ یہ اس لیے ناخوش ہیں کہ جرنیل اسلام نے بیت المقدس کو اعداءِ اسلام سے آزاد کرایا۔

اس خلیفہ حق کے اتنے عظیم کارنامے اور خدمات جلیلہ ہیں کہ ایک غیر مسلم سکا لبر بھی پکار اٹھا:

تاریخ

سن ہجری کا فلسفہ محرم الحرام احساس بیداری کی پہلی صبح سے تعبیر ہے

مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ

پھر مناسبت و موزونیت کا بھی یہ عالم ہے کہ اسلام ہی نہیں خود تاریخ کی پہلی صبح مبارک ہو سکتی ہے جس میں آفتاب نبوت نے دنیا والوں کو پہلی دفعہ مستنیر کیا۔
فتح بدر کی اہمیت:

دوسرا عظیم واقعہ جس پر سن کی بنیاد رکھی جاسکتی تھی، بدر کی لڑائی یا فتح تھی۔ یہ اسلام و کفر کی ایسی پہلی اور آخری لڑائی تھی جو فیصلہ کن حیثیت کی حامل ہے، یعنی تین سو تیرہ مخلص فداکاروں کی ایک جماعت، نشہ تو حید سے سرشار، سینکڑوں کے لشکر جرار کے مقابلے میں صف آراء۔ خدا نخواستہ اگر شکست ہو جاتی تو آج اس بھری پری کائنات میں ہولناک بربادی ہوتی۔ خدا کی پوجا اور پرستش کے تمام دروازے بند ہو جاتے، اور اسلام کی جاں طرازیوں سے ہر نفس یک قلم محروم! یہ فتح صرف قلت کی فتح کثرت پر نہیں تھی، صرف اسلام کی فتح کفر پر نہیں تھی بلکہ ایک سچائی کی فتح تھی، اصول اور عقیدے کی فتح تھی بلکہ اس سے بڑھ کر یوں کہیے کہ ایک نئے اندازِ حیات کی فتح تھی۔ اس فتح و نصرت سے تاریخ میں نئے ابواب کھلے۔ زندگی کے نئے امکانات سامنے آئے مگر اس پر بھی اسلامی تاریخ کو اس سے شروع نہیں کیا گیا۔

کفر کی آخری شکست:

فتح مکہ تیسرا بڑا واقعہ ہے۔ یہ تاریخ اسلامی میں ہوا ہے۔ جب کفر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسلام کے مقابلہ میں سپر ڈال دیتا ہے۔ جب دس ہزار قدوسی اس مکہ میں شان و شوکت کے ساتھ داخل ہوتے ہیں جہاں ان کے لیے رہنا تک دشوار تھا۔ جہاں ان کی زندگی تک ختم کر دینے کے منصوبے ہو چکے تھے۔ فتح مکہ سے اسلام نے وہ سب کچھ پالیا اور

اسلام جہاں ہمارے عقائد و عمل میں ایک طرح کا انضباط پیدا کرتا ہے، وہاں ہمارے ماہ و سال میں بھی ایک طرح کی باقاعدگی اور موزونیت دیکھنا چاہتا ہے۔ پھر جس طرح اسلامی فکر و عمل کے ایک ایک جز کی خصوصیات ہیں اسی طرح سن اور تقویم کی تعیین میں بھی صحابہ نے چند خصوصیات سامنے رکھی ہیں جو دوسروں سے مختلف ہیں۔
سن ہجری کا آغاز اُس وقت سے ہوتا ہے جب آنحضرت ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی۔ گویا مسلمانوں نے اپنی تاریخ کو اُس دن سے شروع کیا جب مکہ میں رہنے کے تمام امکانات ختم ہو گئے اور فضا اس حد تک ناسازگار ہو گئی کہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی بدخواہوں کی آنکھوں میں کھلنے لگی۔ اس کے باوجود کہ اسلامی تاریخ کے دامنِ افتخار میں اس سے زیادہ شاندار اور خوشگوار واقعات اور روایات موجود تھیں جن کو اسلامی سن کے لیے درخور اعتنا سمجھا جاتا مگر اس کے باوجود ہجرت کو اس کام کے لیے چنا گیا۔ اس کا کیا فلسفہ ہے؟ یہ ہے لائق غور حقیقت۔

پہلا عظیم الشان واقعہ:

سب سے بڑا واقعہ، جو اسلام ہی کے نقطہ نظر سے بڑا نہیں پوری انسانیت کے اعتبار سے بڑا ہے، آنحضرت ﷺ کا اُفق وجود پر جلوہ گر ہونا ہے کہ یہیں سے صبح امید طلوع ہوتی ہے۔ یہی وہ ساعت سعید ہے جس سے عالم امکان کے تمام مضمرات قوت سے فعل میں آنا شروع ہوتے ہیں۔ یہی وہ نقطہ نور ہے جس سے دنیا جہاں کے علوم و فنون کی شعاعیں اکتسابِ ضو کرتی ہیں مگر اس کے باوجود مسلمانوں نے اپنی تاریخ کا آغاز اس سے نہیں کیا، حالانکہ عظمت و برتری کے نقطہ نظر سے اس مژدہ جانفزا سے بڑھ کر اور کوئی مژدہ نہیں ہو سکتا تھا،

سانحہ سمجھ لیجیے کیونکہ اس پر حزن و اندوہ کا خود آپ ﷺ کی زبان سے اظہار ہوا اور آنکھوں نے اس پر گواہی دی، پھر خود آنحضرت ﷺ کا انتقال اتنا بڑا سانحہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مانتے ہی نہیں۔ تلوار لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ جو یہ کہے گا مارا جائے گا مگر اسلامی ذوق نے ان واقعات کو بھی یہ اہمیت نہیں دی کہ مسلمان ان واقعات کو غم و اندوہ کی مستقل یادگاریں سمجھیں۔

اسلامی اصول:

ولادت باسعادت تو اس لیے اسلامی سن و تقویم کی اساس نہیں بن سکی کہ اسلام کا اس باب میں ایک اصول ہے، اور وہ اصول یہ ہے کہ اس کے نزدیک انسانی فضائل و مناقب کا آغاز ولادت سے نہیں بلکہ عمل سے ہوتا ہے۔ وہ جس عقیدے کی خصوصیت سے اشاعت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ شرف ولادت کوئی شے نہیں۔ حسب و نسب کی بلندیاں کوئی چیز نہیں۔ ایک انسان کو اس کے والدین سے بالکل علیحدہ کر کے یوں دیکھنا چاہیے کہ اس کی اپنی سیرت کیسی ہے، اپنا عقیدہ اور اپنا عمل کیسا ہے، اور اسی کی مناسبت سے معاشرے میں اُسے جگہ ملنی چاہیے۔ ایک شخص اگر بہتر سے بہتر حسب و نسب کا مالک ہے لیکن سیرت گھٹیا رکھتا ہے، عقیدہ و شعور کے لحاظ سے بھی پست ہے تو محض خاندانی ہونے کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں اُسے کوئی پوزیشن نہیں دی جائے گی۔ ٹھیک اسی طرح اگر ایک شخص کسی اونچے خاندان سے متعلق نہیں ہے مگر علم و فضل اور عقیدہ و عمل کے اعتبار سے جلیل القدر حیثیت کا مالک ہے تو اسلام اس کا احترام کرے گا اور معاشرے میں موزوں جگہ اس کے لیے تجویز کرے گا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خاندانی علو بھی ایک خوبی ہے مگر یہ بھی تنہا اتنی اہمیت نہیں رکھتا کہ کسی شخص کی قدر و قیمت کے تعین میں اسے فیصلہ کن سمجھا جائے۔ مسلمان اگر آنحضرت ﷺ کی ولادت پر اپنی تقویم کی بنیاد رکھتے تو اسلامی ذوق پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ بھی اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے، اور شاید اسلام بھی انسان کی قدر و قیمت میں اعمال سے زیادہ خاندان و عائلہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ

سب کچھ حاصل کر لیا جو وہ چاہ سکتا تھا۔ مادی اعتبار سے دشمن مغلوب ہو چکا تھا۔ حریف ایک ایک کر کے یا ختم ہو چکے تھے یا پھر اب بدرجہ آخر اسلامی پرچم کے سامنے سرگلوں۔ معنوی اعتبار سے دین حنیف اتمام و کمال کی تمام منزلیں طے کر چکا ہے۔ گمراہی و ضلالت کے سب بادل چھٹ چکے ہیں۔ توحید و سنت کا بدر تمام اوج کمال تک پہنچ گیا ہے۔ حکم و بصائر کے سب دفتر بیان ہو چکے ہیں اور اب کوئی حالت منتظر نہیں رہی۔ یہ واقعہ اتنا بڑا اور اتنا عظیم ہے کہ اگر یہاں سے اسلامی سن کا آغاز ہوتا تو اس کی موزونیت کیا کچھ نہ بڑھ جاتی! یعنی مادی و معنوی کامیابیوں سے بیک وقت ہمکناری کتنی بڑی سعادت اور کتنی بڑی خوش نصیبی ہے جو اسلام کے حصے میں آئی مگر یہ واقعہ بھی اسلامی تقویم کی بنیاد نہیں قرار پایا۔

یہ تو خوشی و بہجت کے مواقع ہوئے۔ بسا اوقات تاریخ نے بڑے بڑے سانحات کو اس درجہ درخور اعتنا سمجھا ہے کہ اُن پر عبرت و تذکار کی مستقل بنیادیں اٹھائی ہیں۔ اس لیے آئیے یہ دیکھ لیں کہ اسلامی تاریخ میں ایسے واقعات بھی ہیں جنہیں غم و اندوہ کی یادگاریں قرار دیا جاسکے۔

غزوہ حنین:

اجتماعی غموں کی اہمیت ذاتی غموں سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے غزوہ حنین کی شکست بہت بڑا صدمہ ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب مسلمانوں کی کثرت ہے اور قرآن کے الفاظ میں اس حد تک کثرت ہے کہ خود مسلمانوں کے لیے باعث استعجاب، یعنی غزوہ بدر کی سی بے سروسامانی نہیں بلکہ پوری تیاری ہے مگر مقابلے میں صرف ایک چوک ہوئی ہے۔ جیتی ہوئی لڑائی شکست سے بدل جاتی ہے۔ بھگدڑ مچتی ہے، افواہیں پھیلتی ہیں اور پورے اسلامی لشکر میں خوف و ہراس پھیل جاتا ہے۔

حزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت:

ذاتی و انفرادی واقعات میں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت بہت دردناک ہے۔ اس بے دردی اور وحشت سے ان کو شہید کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے لُحّت جگر ابراہیم کی موت کو بھی اسی نوعیت کا ایک

اسلام، جو خالص فکر و عمل کا داعی ہے، اس کے اس پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسی اضطراری کیفیت کو کیونکر معیار ٹھہرایا جاسکتا تھا۔

اسلام کا نقطہ نظر تشاؤم نہیں:

فتح بدر اور فتح مکہ یقیناً بہت بڑے واقعات ہیں لیکن اسلام کیا صرف جہاد ہے؟ کیا صرف معرکہ آرائی اور کامیابی اس کا مقصد ہے۔ یقیناً نہیں؟ وہ تو ایک دعوت ہے، ایک پیغام ہے، روزمرہ کی زندگی کا ایک پروگرام ہے۔ اور جہاد ایک ذریعہ ہے اس دعوت کو قائم رکھنے کا، اصل دین نہیں۔ فتح مکہ یا فتح غزوہ بدر اس دعوت کے دو مظہر ہیں اور بس! شکست حنین کا غم، امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا صدمہ یا ابراہیم کے انتقال پر اندوہ یا خود آپ ﷺ کی وفات کا سانحہ بلا ریب عظیم سانحات ہیں مگر اسلام کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ اس میں زندگی کو تشاؤم کے نقطہ خیال سے نہیں دیکھا گیا۔ اسلام جو زندگی کا نقشہ بناتا ہے وہ امیدوں اور تمنائوں سے معمور ہوتا ہے۔ اس میں حزن و یاس کو صرف اتنی حیثیت حاصل ہے کہ یہ عارضی کیفیتیں ہیں اور انسانی فطرت کے وقتی و ناگزیر تقاضے، اس سے زیادہ نہیں۔ اسلام زندگی کا خیر مقدم کرنا سکھاتا ہے، زندگی کی جائز مسرتوں سے بہرہ مندی کی تلقین کرتا ہے، اور عقبی و آخرت کے حسن کے ساتھ ساتھ ”حسن دنیا“ سے لطف اندوزی کا مطالبہ بھی کرتا ہے لہذا یہ سانحات بھی اس کی اساس نہیں ہو سکے۔

ہجرت کیوں ہمارے سن کی بنیاد ہے؟

اب رہی ہجرت تو اس کا ایک پہلو تو بہ ظاہر یہی نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، اپنے عزیز واقارب سے جدا ہونا پڑا اور کاروبار تھک کر ایسی جگہ جانا پڑا جہاں ان کی جان بچان کم ہے، ذرائع معاش واضح نہیں، مستقبل غیر متعین ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ حرم سے دوری کا افسوس۔ یعنی مکہ سے یا اللہ کے گھر سے، جس پر صبح و مسانوار کی بارش ہوتی ہے اور طرح طرح کی برکات کا نزول ہوتا ہے، محرومی۔ یہ صدمہ بلاشبہ جانکاہ تھا مگر جب کہ ہم نے بتایا کہ صحابہ کے سامنے اس کا یہ پہلو مد نظر نہیں کیونکہ مسلمانوں کا مزاج ایسا نہیں بنایا گیا کہ وہ اسلام کے رواں دواں قافلوں کو روکیں، اور

نوحہ و بکا کی مجلسیں بپا کریں، ان کو آگے بڑھنا ہے اور تاریخ کے اُس مقام پر جا کر رکنا ہے جہاں اسلامی دعوت کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ جہاں سب گردنیں اللہ کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جائیں گی۔ اس سے ادھر ان کے لیے کوئی رکنے کی جگہ نہیں، کوئی توجہ طلب اور درخور اعتنا موڑ نہیں۔

لہذا ہجرت کا کوئی دوسرا پہلو مرعی ملحوظ ہو سکتا جو متبادر نہیں، وہ یہ ہے کہ یہ وقت ٹھیک وہ موقع ہے جب دلوں میں اسلامی شعور انگڑائی لیتا ہے۔ جب اسلامی احساس بیدار ہوتا ہے اور گرد و پیش کے مظالم کو برداشت نہ کرنے کی ٹھان لیتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب مسلمان اسلامی دعوت کو کامیاب بنانے کے لیے اپنی تمام راحتوں سے دست بردار ہوتے ہیں۔ تمام مسرتوں سے دست کشی اختیار کرتے ہیں۔ اور دعوت کو زیادہ زور کے ساتھ پھیلانے کے لیے اور اپنی اجتماعی قوتوں کی مزید تنظیم کرنے کے لیے ایک آزاد مگر دینی فضاؤں سے معمور ٹھکانے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ یقیناً بیداری و احساس کی یہ پہلی صبح ہی ایسی مبارک صبح ہے کہ اسے یاد رکھا جائے اور اپنی تقویم و سن کی بنیاد ٹھہرایا جائے کیونکہ یہی دراصل بعد کی تمام فتوحات و کامیابیوں کی کلید ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست کی داد دیجیے کہ انھوں نے ہجرت سے اپنے سن کا آغاز کر کے کتنی بڑی دینی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب کسی قوم کا احساس بیدار ہوتا ہے، جب زندگی کا ایک خاص نقطہ نظر اس پر چمکتا ہے اور اس حد تک مجبور کر دیتا ہے کہ وہ اس کی کامیابی و بقا کے لیے اپنی زندگی کی پوری ترتیب کو بدل دینے پر آمادہ ہو جائے تو سمجھ لیجیے کہ اب اس کی کامیابیوں میں کوئی شبہ نہیں۔

لہذا مسلمانوں نے اگر ہجرت پر اپنے سن کی بنیاد رکھی ہے اور محرم الحرام کو اس کا پہلا ماہ قرار دیا ہے تو گویا دنیا والوں کے لیے اس میں یہ پیغام مضمر ہے کہ اجتماعی زندگی کے آغاز و ظہور کو اس وقت سے ظاہر کرو جب تم نے اجتماعی نقطہ نظر کے لیے پہلا اجتماعی قدم اٹھایا۔



جمہوریت کی قبا حیتیں

محمد شریف بلغاری

عالم اسلامی کے بدلتے حالات:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نَدَاوُلَهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ [آل عمران: ۱۴۰]

”اور یہ دن ہیں، ہم انہیں لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور تاکہ اللہ ان لوگوں کو جان لے جو ایمان لائے اور تم میں سے بعض کو گواہ بنائے اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔“

جس دور سے ہم گزر رہے ہیں ہر طرف مسلمانان عالم کسمپرسی، پستی، تنزلی، انحطاط، کمزوری و خواری کی زندگی گزار رہے ہیں۔ افغانستان، بغداد، کشمیر، چیچنیا، فلسطین اور صومالیہ جیسی حکومتیں اور علاقے کافروں کے پنجے استبداد میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ایریٹریا، فلپائن، برما اور کشمیر کے مسلمان کافروں کے انسانیت سوز مظالم کے شکار ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ عالم اسلام پر مسلط مغرب سے مرعوب حکمرانوں کی اسلامی اقدار سے دوری، اسلاف کے روشن ماضی سے نابلد، حمیت دینی و ایمانی سے عاری، دنیا کے عارضی منفعت کے دلدادہ، فکر عقبی سے کوسوں دور ٹولہ مسلمانوں کو مزید ذلت و پستی کی طرف دھکیل رہا ہے، ایسے ہی خون کے آنسو رلانے والے حالات میں مذکورہ آیت پر غور کرنے سے کچھ تسلی ملتی ہے کہ اللہ جل شانہ اپنی حکمت بالغہ کے تحت حالات کو ایک جیسا نہیں رکھتا۔ اس اتار چڑھاؤ کے ذریعے اللہ تعالیٰ مومنوں کے ایمان کو پرکھنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کو گم گشتہ عزت کے حصول کی خاطر کافروں سے جہاد کے لیے نکال کے شرف شہادت سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے۔ بیتے حالات پر غور کریں تو ہر سو غیرت ایمانی کی پھوٹی کرنیں نظر آتی ہیں۔ کافروں کے

طاغوتی نظام ہر جگہ کھوکھلے ہوتے اور گرتے نظر آتے ہیں۔ تیونس، مصر، شام اور لیبیا کے طاغوت منش حکمرانوں کے خلاف عوام اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اخبار و رسائل میں قرآن اٹھائے ہوئے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے، استبدادی نظام کے بدلے اسلام کا عادلانہ معاشی اور اقتصادی نظام لانے کا مطالبہ کرتے نظر آتے ہیں اور ﴿تِلْكَ الْأَيَّامُ نَدَاوُلَهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ کی الہی حکمت ظہور پذیر ہوتی نظر آتی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

قارون نما حکمران:

اگر سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں فرعون نے تکبر و غرور کے نشے میں مست ہو کر اعلان کیا تھا:

﴿أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ [الزخرف: ۵۱]

”کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں؟ اور یہ نہریں جو میرے نیچے چل رہی ہیں، کیا تمہیں نظر نہیں آتا!“

اسی گھمنڈ میں ﴿انصار بكم الأعلى﴾ کا اعلان کر دیا۔ اور اس مغرور انسان کو لشکر سمیت، جس دریائے نیل پر وہ فخر کیا کرتا تھا، اللہ جل جلالہ نے غرق کر کے نمونہ عبرت بنا دیا۔

اس دور کا نام نہاد فرعون بھی یہی اعلان کرتا ہے کہ ”ورلڈ آرڈر“ دنیا پر اس کا چلے گا۔ دنیا میں کہیں درخت کا پتہ بھی ہلتا ہے تو اس کا سٹلائٹ اسے آگاہ کرتا ہے۔ دنیا کے جس کونے میں بھی امریکی مفادات اور امریکیوں کو خطرہ ہو اسے وہ دبانے اور کچلنے کا حق رکھتا ہے لیکن فخر و غرور سے الہی صفات کا دعویٰ کرنے والوں کو اس وقت اپنے چہروں پر سیاہی ملنا پڑتی ہے جب صدام حسین کے تباہ کن ایٹمی ٹیکنالوجی کا بہانہ بنا کر ملک عراق پر چڑھ دوڑتا ہے مگر عالم انسانی کی

تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝
وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ
مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ
الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝﴾

[القصص: ۷۶، ۷۷]

”جب اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا: اتنا مت
اتراؤ، بیشک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اور جو
مال و دولت اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس سے آخرت
کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا میں بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو
اور لوگوں سے ایسے ہی احسان کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے
ساتھ بھلائی کی ہے اور ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے کی کوشش
نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“
اس نصیحت کا اس عاقبت ناندیش اور دنیوی دولت کے نشے میں
چور شخص پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناقدری کرتے
ہوئے یوں جواب دیا:

﴿إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۖ﴾ [القصص: ۷۸]

”یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے۔“
قارون بھی اپنی طاقت کے نشے میں چور ہو کر لوگوں پر ظلم کرتا تھا
جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ﴾

[القصص: ۷۶]

”بیشک قارون تھا تو قوم موسیٰ سے لیکن ان پر ظلم کرنے لگا۔“
ایسے ہی اس دور کے اکثر حکمران مغربی تعلیم سے آراستہ اور دینی
علم سے بے بہرہ ہو کر ظاہری کروفر کے نشے سے چور مغربی آقاؤں
کی خوشنودی میں لگ کر اپنے ہی بھائیوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ انھیں
اللہ تعالیٰ کچھ وقت کے لیے ڈھیل دیتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو
عبرت کا سامان بنا دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قارون کو بنا دیا تھا:

نگاہوں میں دھول جھونکنے کے لیے تراشتے گئے بہانے کے تحت
خوفناک ٹیکنالوجی کا ایک پرزہ بھی دنیا کو نہیں دکھا سکا۔ دنیا کے
فرعونوں کی سیاہ روش برقرار رکھتے ہوئے اس نے لاکھوں بے گناہ
بچے، بوڑھے اور مرد و زن کو جدید آلات حرب و ضرب کی تجربہ کاری
کی بھینت چڑھا دیا ہے۔ یوں حقوق انسانی کے بڑے علمبردار اپنے
دجل و فریب کے گندے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ اور ۹/۱۱ کا بہانہ بنا
کر مملکت اسلامیہ ”افغانستان“ پر آتش و آہن کی بارش برساتا ہے۔
ڈیزی کٹر بھوں سے پہاڑوں تک کو کھنگالتا ہے لیکن اپنی سٹالائیٹ پر ناز
کرنے والے، پتوں کی حرکت تک کا علم رکھنے کے دعوے دار فرعون
وقت اور اس کے حمایتی ملا عمر جیسے درویش صفت شخصیت کا کھوج
لگانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ یوں وقت کا فرعون آئے دن
افغانستان میں اپنا زخم چاٹ رہا ہے، اور بھاگنے کا راستہ تلاش کرنے
میں سرگرداں ہے۔ ”کھسائی بلی کھما نوچے“ کے مصداق کبھی سعودیہ
کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے کہ طالبان سے ہماری ملاقات
کرو دو، اور کبھی پاکستان کو دہائی دیتا ہے کہ افغانستان سے پر امن
طریقے پر نکلنے میں ہماری مدد کرو۔ بلکہ امریکہ کے بدترین حالات
دریں جا رسید کہ ملا منصور کا نمائندہ ظاہر کر کے ان سے بات چیت
کروانے کا عندیہ دے کر اربوں ڈالر لے کر رفو چکر ہونے والے شخص
کی خبر اخباروں کی زینت بنی ہے۔ یہ ہے امریکہ کی سپر پادری کی
ہنڈیا جو بیچ چوراسے میں پھوٹ پڑی ہے۔

روشن خیالوں کی اسلام دشمنی اور ان کا حشر:

عالم اسلام کے بیشتر ملکوں میں مغرب فویا کے شکار غیر عادلانہ
نظاموں کے خمیر میں گوندھے مغربی جمہوریت کے دلدادہ، جمہوریت
کے ناپائیدار تلخ ثمرات کے خوشہ چین، جمہوریت کے نام پر اسلام کی
زریں تعلیمات و اصولوں کی جڑیں کھوکھلی کرنے والے حکمران ٹولے کے
انجام پر ذرا نظر کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ ٹولہ موسیٰ علیہ السلام کے چچا زاد بھائی
قارون کے کردار سے ہم آہنگ ہے جو اپنے مفادات کی خاطر فرعون کا
آلہ کار بن گیا تھا اور بے دریغ زردنیا سینے میں مگن ہو گیا تھا۔ قارون کو
بھی قوم کے اہل دانش نے دنیا طلبی میں لگ کر فساد فی الارض سے منع کیا

۵۔ نماز باجماعت مساجد میں ادا کرنے کو، خاص طور پر جوانوں کے لیے، قابل مواخذہ جرم قرار دیا۔

۶۔ چادوگروں، کاہنوں اور پامسٹوں کو قانونی سرٹیفکیٹ سے نوازا۔

۷۔ دارالافتا اور جامعہ زیتونیہ کے ساتھ قانونی طور پر زنا کے اڈے کھلوائے۔

۸۔ تیونس کو زنا کاری و بدکاری کے کھلے اڈوں کی حیثیت سے سیاحوں میں متعارف کراتے ہوئے بدکاری مراکز کے پمفلٹ تقسیم کیے۔

۹۔ مبلغین اور مبلغات پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے جس کے سننے سے روگئے کھڑے ہو جائیں۔

۱۰۔ بے دینوں اور ملحدین کو بڑے بڑے منصوبوں پر فائز کیا۔ حیا باختہ فلوں کی نمائش کرنے والوں کو قومی اعزازات سے نوازا۔ جامعہ زیتونیہ کے کلیۃ الشریعہ کی طالبات کی تیراکی کے مقابلے کا اہتمام وزیر شئون الدینیہ سے کروایا گیا، اور اس مقابلے کی تکمیل کے بعد فاخرانہ اعلان کیا کہ اب جامعہ زیتونیہ اپنے اسلامی بندھن سے آزاد ہو گیا ہے۔

اس اسلام دشمن حکمران کے خلاف اسلام کی محبت سے سرشار تیونس کے مسلمانوں، خاص طور پر نوجوانوں، نے میدان میں آ کر مقابلہ کیا۔ ان غیور مسلمانوں کے سامنے اس ڈکٹیٹر کو منہ کی کھانا پڑی۔ انھوں نے اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے شریعت اسلامیہ سے کھلی بغاوت کی مگر اس کا حشر یہ ہوا کہ انھیں اپنے محل میں رہنے کی جگہ تک نہ مل سکی۔ پہلے اپنی بیوی بچوں کو دی بھگایا، سرسور ان کے بچوں کو کینیڈا پہنچایا، پھر خود اپنے صدارتی جہاز میں بیٹھ کر پناہ کی تلاش میں مالٹا گیا، وہاں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے فرانس بھاگا، فرانسیسی آقا نے بھی معذرت کی تو جدہ پہنچ کر سانس لی۔ یہی حشر مصر میں حسنی مبارک کا ہوا، پاکستان میں مشرف کا ہوا، اور لیبیا میں معمر قذافی کا اور اب شام میں بشار الاسد کا ہونے والا ہے۔

”فاعتبروا یا اولی الأبصار!“

(مزید معلومات کے لیے دیکھیے: ”الفرقان، عدد: ۶۱۶، سوموار،

۱۷ جنوری ۲۰۱۱ء) (جاری ہے)

﴿فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ﴾

[القص: ۸۱]

”پھر ہم نے قارون اور اس کے گھر کو (خزانوں سمیت) زمین میں دھنسا دیا تو اس کے حامیوں کی کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ ہی وہ خود بدلہ لے سکا۔“

یہی کچھ ہر دور کے ”میری کرسی مضبوط ہے“ کہنے والوں کا انجام ہوا اور ہوتا رہے گا۔ یہی حشر اسلامی ملک تیونس کے صدر ”زین العابدین بن علی“ کا ہوا۔ تیونس پر اس کی حکمرانی کے ۲۷ سالوں میں مسلمانان تیونس پر دہشت و بربریت کے پہاڑ توڑے گئے۔ اس اللہ کے دشمن نے ۶۰ سال سے کم عمر لوگوں کو مسجدوں میں نماز کی ادائیگی سے منع کیا، عورتوں کو پردہ کرنے سے بزور طاقت روکا اور ۷۰ سال سے کم عمر لوگوں پر داڑھی رکھنا منع کر دیا۔ جامع مسجد کے خطباء کو کمیونسٹ، اشتراکیت اور قومیت کی افادیت پر مشتمل سرکار کے تحریر کردہ خطبے دینے پر مجبور کر دیا۔ مسلمانوں کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی شرعی اجازت سے محروم کر دیا۔ ایسا کرنے والوں کے لیے پھانسی اور تاج حیات قید جیسا مذموم قانون پاس کیا۔ شرعی نظام وراثت کے ساتھ کھیلنے ہوئے من پسند نظام وضع کیا۔ طلاق کا حق عورت کو دینے اور ناجائز تعلقات جوڑنے کی اجازت دی گئی۔ اس ننگ دین اور ایمان سے عاری شخص نے مزید درج ذیل اسلامی حدود کے ساتھ سرکشی کی:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے دین، اسلامی احکام، شریعت اور ارکان اسلام کا کھلا مذاق اڑایا۔

۲۔ مساجد اور مدارس میں اسلامی تعلیم کی ممانعت کر دی۔ اسلامی منہج تعلیم کو ختم کرنے کے لیے مکتبات اور کتابوں کے اسٹالز پر اسلامی کتابیں رکھنے پر پابندی لگا دی۔

۳۔ تیونس میں کا فرانہ نظام کے تحت ”انصاف“ کا بول بالا کیا۔

۴۔ عفت و حشمت کو بچانے کے لیے شریعت نے پردے کا حکم دیا تھا، اس کے ساتھ اس عدو اللہ نے جنگ کی۔

التذکار السدید فی احوال عبدالرشید (اٹاری)

(شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الاسلام، ماموں کانجن، ضلع فیصل آباد)

عبدالحمید فردوسی، دارالعلوم اوڈانوالہ، ماموں کانجن

اور مولانا پیر محمد یعقوب قریشی تہلمی۔
دورانِ تعلیم انتہائی محنت لگن اور شوق سے کسب فیض کیا۔ اساتذہ کرام کا احترام مرحوم کی سرشت میں داخل تھا۔ تعلیمی دور کا ایک واقعہ آپ نے خود سنایا کہ ایک مرتبہ میں نے کچھ تعویذ لکھ کر حضرت صوفی محمد عبداللہ کی خدمت میں پیش کیے تو آپ سخت ناراض ہوئے۔ تمام تعویذ ریزہ ریزہ کر کے فرمانے لگے میں نے تجھے تعویذوں کے لیے مدرسے میں داخل نہیں کیا بلکہ میرا ارادہ ہے کہ تجھے مدرس بناؤں تاکہ میرے دوستوں کی یادگار قائم رہے اور تو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنے۔ مولانا مرحوم ۱۹۶۰ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ سالانہ امتحان مولانا محمد ابراہیم جٹانوالی نے لیا۔

آپ کے ہم درس علماء کرام کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:
مولانا عبدالرحمن چھتوی، مولانا عبدالستار اور مولانا ولی محمد ڈھیسایاں (جزانوالہ)، مولانا محمد عثمان کمالیہ، مولانا عبدالجبار ککڑ والا (تاندلیانوالہ)، مولانا عبدالحق، مولانا عطاء اللہ کھوکھر اوڈانوالہ۔
شادی اور اولاد:

مولانا مرحوم کی شادی ان کے ماموں محمد یعقوب ولد محمد ابراہیم کے گھر تقریباً ۱۹۵۹ء میں ہوئی۔ پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا پیدا ہوا۔ بیٹا عبدالمنان ۱۱ ماہ کی عمر میں داغِ مفارقت دے گیا۔ ۳ بیٹیاں آپ کی زندگی میں انتقال کر گئیں۔ ایک بیٹی دماغی مریضہ تھی۔ اس کی طویل بیماری اور علاج معالجہ میں مولانا مرحوم نے محنت، محبت اور شفقت پداری کا نمونہ پیش کیا اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔ ہمیشہ رب العالمین کے فیصلوں پر راضی رہے اور ثواب کے متمنی رہے۔ امید واثق ہے کہ ان چاروں کی رحلت آپ اور آپ کے اہل خانہ

اللہ علیم و قدیر علم کو سینوں سے نہیں نکالنے بلکہ علم علماء کے جانے سے اٹھ جاتا ہے۔ علم دین انبیاء کی وراثت ہے اور اس کے وارث علماء ہیں جن کی فہرست میں ہمارے استاذ مولانا عبدالرشید اٹاری بھی تھے جن کا انتقال یکم نومبر ۲۰۱۱ء بروز منگل کو ہوا۔ آپ نے نصف صدی تک مسندِ ریس کورونق بخشی۔
ولادت خاندان اور ابتدائی تعلیم:

تاندلیانوالہ سے شمالی جانب اور سمندری (فیصل آباد) سے مشرقی جانب ایک گاؤں چک نمبر ۷۷-اگ۔ ب ماڑی اٹاری میں آپ ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ والد مرحوم کا نام قطب دین ولد عبدالرحمن ولد فتح دین ہے۔ قوم بھٹی ہے۔ آپ کے نانا مولانا محمد ابراہیم مجاہدین سے خصوصی تعلق رکھتے تھے جس کا تذکرہ مولانا غلام رسول مہر نے سرگزشت مجاہدین اور مولانا خالد گرجا کھی نے ”مولانا فضل الہی وزیر آبادی“ نامی کتاب میں کیا ہے۔ پرائمری تک تعلیم گورنمنٹ مڈل سکول چک نمبر ۷۶-اگ۔ ب پیلے گجراں میں حاصل کی۔ ناظرہ قرآن مجید والدہ مرحومہ اور ماموں سے پڑھا۔ محترم میاں محمد رمضان مرحوم مولانا کے خالوتھے جو زندگی بھر جامعہ کے معاون خاص رہے۔
دارالعلوم اوڈانوالہ میں داخلہ اور فراغت:

حضرت صوفی محمد عبداللہ مرحوم کا ماڑی اٹاری گاؤں میں مولانا مرحوم کے گھر آنا جانا تھا، اسی دلی تعلق اور قلبی لگاؤ کی بنا پر مولانا مرحوم ۱۹۵۵ء میں اوڈانوالہ مدرسہ میں داخل ہو گئے اور دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ آپ کے اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:
مولانا محمد اسحاق خائف، مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی، مولانا محمد رفیق، مولانا محمد صادق خلیل، مولانا عبدالصمد رؤف، مولانا محمد یعقوب ملہوی

کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گی۔ ان شاء اللہ
مسند تدریس کی زینت:

۱۹۶۴ء سے لے کر تادم والپیس نصف صدی تک قرآن، حدیث اور علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس فرماتے رہے۔ ابتدائی کتب سے لے کر صحیح بخاری تک پڑھاتے رہے۔ اس دوران کثیر تعداد میں طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا جواب ملک اور بیرون ملک دین اسلام اور مسلک حق کی تبلیغ و تدریس کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور یقیناً مرحوم کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔

انداز تدریس:

مولانا مرحوم دارالعلوم اوڈانوالہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخل ہو گئے۔ ان دنوں وہاں حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ عید الاضحیٰ پر اپنے گھر ماڑی اٹاری آئے تو وہاں حضرت صوفی محمد عبداللہ تشریف لائے ہوئے تھے، فرمانے لگے: اب تم نے پڑھانے کے لیے اوڈانوالہ جانا ہے۔ مولانا مرحوم نے اوڈانوالہ میں ۱۹۶۱ء تدریس کا آغاز کیا۔ مرحوم اسباق کی مکمل تیاری کرتے، وقت کی پابندی کرتے۔ طلبہ کی مکمل راہنمائی فرماتے، عام فہم سادہ انداز میں مسائل سمجھاتے۔ بصورت اشکال سبق روک لیتے۔ تیاری اور اطمینان کے بعد سبق شروع کرتے۔ صرفی نحوی قوانین خوب ذہن نشین کراتے۔ مسلک حق کی وضاحت دلائل سے کرتے۔ کند ذہن اور کمزور طلبہ کی خوب حوصلہ افزائی کرتے اور فارغ اوقات میں ان کو مشق کراتے۔ طلبہ کی ہر بات توجہ سے سنتے اور ان کی ضروریات حتیٰ الوسع پوری فرماتے۔ طلبہ کی امانتیں محفوظ رکھتے اور ان کا باقاعدہ حساب لکھتے۔ طلبہ میں توکل، کفایت اور تقویٰ پیدا کرنے کی بہت کوشش فرماتے اور غیرت اور حمیت کی تلقین کرتے۔ مرحوم جامعہ میں صحیح بخاری کی ایک جلد پڑھاتے تھے اور ایک جلد حضرت مولانا محمد علی حامد پڑھاتے۔

طلبہ سے بھرپور شفقت:

مولانا مرحوم کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ طلبہ کو اپنے بیٹوں جیسا سمجھتے۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے اور بیماری اور پریشانی میں انھیں تسلی دیتے۔ مناسب راہنمائی کرتے۔ قیمتی نصائح اور ذاتی تجربات بیان کرتے۔ فراغت کے بعد بھی طلبہ سے رابطہ رکھتے۔ کئی طلبہ کی شادیاں کروائیں۔ بوقت ملاقات ہمہ قسم کی خیریت دریافت فرماتے۔ بہت رحم دل اور حلیم الطبع تھے۔ غائبانہ سلام بھیجتے اور دعا کے متعلق ضرور اشارہ کرتے۔

ذاتی کتب خانہ:

علمائے کرام اور مدرسین کے لیے کتاب بہترین ساتھی ہے ع و خیر جلیس فی الزمان کتاب
مرحوم نے بھی اپنے ذاتی اخراجات میں کمی کر کے علمی و دینی کتابیں خریدیں۔ ان کا کتب خانہ تفاسیر، احادیث، شروح، سیرت، فقہ، اصول فقہ اور تاریخ وغیرہ پر مشتمل تھا۔ کتابوں کی مجموعی تعداد تقریباً ۴۵۰ ہے۔ بعض کتب پر وضاحتی نوٹ اور اشکالات کے تدریسی حل درج ہیں۔

حقوق برادری اور رابطہ احباب:

مولانا مرحوم کے والد نوبھائی اور دو بہنیں تھیں۔ سب کی اولاد ہے۔ کافی بڑا خاندان ہے۔ آپ ان کا بہت خیال رکھتے۔ ان کے حالات سے واقفیت رکھتے اور ان کے دکھ درد، خوشی غمی میں شریک ہوتے۔ فوتیگی پر آپ خود جاتے اور تعزیت کرتے۔ گھر والوں کو تسلی دیتے۔ باوجود بیماری اور مصروفیت کے اسے اپنا فرض سمجھتے۔ شادی میں تحائف اور بیمار پرسی میں کچھ تعاون ضرور فرماتے۔ مولانا رفیع الدین اور ان کی اہلیہ کے جنازے میں بیماری کے باوجود تشریف لے گئے۔ اس خوبی کا اعتراف اپنے اور بے گانے سب کرتے ہیں۔ دوست احباب اور واقف حضرات سے رابطہ رکھتے۔ کسی بھی پریشانی، خواہ معمولی ہو، حوصلہ افزائی کرتے۔

احترام اساتذہ کرام:

استاذ تربیت میں والد کا مقام رکھتا ہے۔ ان کا احترام و اکرام کامیابی اور کامرانی کے لیے خشت اول ہے۔ مولانا مرحوم اپنے اساتذہ کرام کی انتہائی عزت کرتے۔ ان کے سامنے عاجزی اور انکساری سے بیٹھتے۔ ان کا تذکرہ بہت ادب سے کرتے۔ تادم مرگ اپنے اساتذہ کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ محدود آمدنی اور تنخواہ کے باوجود اساتذہ کو تحائف پیش فرماتے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب ملہوی رحمۃ اللہ علیہ جن کی تربیت اور طبیعت کا ان پر گہرا نقش تھا، کا ادب و احترام مبالغے کی حد تک کرتے۔ طلبہ کو بھی احترام اساتذہ کی پرزور تلقین کرتے۔

إن المعلم والطبيب كلاهما
لا ينصحان إذا هما لم يكرما
تبلیغی کوششیں اور ان میں دلچسپی:

تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغ کے جذبے سے بھی سرشار تھے۔ تقریر اور خطبہ آسان، قرآن و حدیث سے مدلل اور سامعین کے حالات و ضروریات کے مطابق ہوتا۔ شعر و شاعری اور ترنم سے اجنباب کرتے۔ چک نمبر ۴۸ گ۔ ب کے احباب جماعت بیان کرتے ہیں کہ مرحوم مسجد اہل حدیث میں خطبہ جمعہ کے لیے ماموں کا نجھ سے سائیکل پر آتے۔ مسجد کی صفائی کرتے۔ صفیں بچھاتے اور خطبے کے بعد واپس تشریف لے جاتے۔ کبھی کسی سے معاوضے کے طلب گار نہ ہوتے۔

احکام ربانی کی پابندی اور راضی برضائے خدا رہنے کی عادت پر زور دیتے۔ ایک درس میں فرمانے لگے:

جتن جتن سکھ لیا تو ہار بھی سکھ فقیرا
جتن دا مل کوڈی نا بیں ہارن دا مل بیرا
دوران تقریر اکثر یہ لفظ دہراتے: میرے عزیز، میرے بھائی۔

شرعی احکام کی پابندی:

علم کا مقصد عمل ہے۔ عمل کے بغیر علم ایک بے ثمر درخت اور وبال

جان ہے۔ مولانا مرحوم میں یہ خوبی بھی بدرجہ اتم موجود تھی کہ جو پڑھا پڑھایا اس پر خود عمل کیا۔ نماز باجماعت کی پابندی خود بھی کرتے اور طلبہ سے بھی کراتے۔ صبح کی نماز کے وقت طلبہ کو کمروں سے اٹھانا، باجماعت نماز میں شامل کرنا اور نماز کے بعد اذکار مسنونہ کی پابندی کرانا آپ کی عادت مستمرہ تھی۔ تہجد گزار اور نفلی روزوں کے حتی الوسع پابند تھے۔ لباس، حجامت، خوشی وغنی سب معاملات میں شرعی احکام پر کار بند رہنے کی تلقین فرماتے۔

ایک دفعہ قریبی رشتہ دار کی دعوت و لیمہ میں شرکت کی جس میں کھڑے ہو کر کھانے کا پروگرام تھا۔ آپ کے احتجاج کا اثر نہ ہوا تو دعوت چھوڑ کر واپس آ گئے۔ تلاوت قرآن کا باقاعدہ معمول تھا۔ ذکر باری تعالیٰ اور وظائف مسنونہ سے بہت شغف تھا اور ان کی تاکید فرماتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اولیاء اور علماء کے واقعات سنا کر ایمان و یقین کو پختہ کرتے۔ رحمہ اللہ رحمة واسعة
تقویٰ، قناعت اور دیانت داری:

اللہ تعالیٰ سے ہمہ وقت اور ہمہ جہت ڈرنا مومن کی خاص نشانی ہے۔ مولانا مرحوم اس صفت سے بھی متصف تھے۔ قول و فعل، کھانے پینے اور تعلقات میں تقویٰ کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ جھوٹ، چغلی، کینہ جیسی جملہ صفات بد سے کوسوں دور تھے۔ جرات ایمانی سے ہر ایک کے سامنے کلمہ حق کہہ دیتے۔ اختلاف کے باوجود کسی کا تذکرہ نامناسب انداز میں کبھی نہ کرتے۔ زندگی بھر ناجائز اور حرام لقمے سے پیٹ کو محفوظ رکھا۔ جامعہ کے مطبخ سے نہ کبھی کھانا کھایا اور نہ گھر لانے کی اجازت دی۔ تقریبات اور کانفرنسوں کے موقع پر بھی کھانا گھر سے کھاتے۔ کبھی تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ نہ کیا۔ جو ملا وصول کیا۔ کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے۔ گندم کے عشر کے موقع پر اور رمضان المبارک میں چندے کے لیے رشتہ داروں کے پاس جاتے۔ تمام لوگ تعاون کرتے۔ کرایہ کے علاوہ کچھ بھی وصول نہ کرتے۔

آپ کی دیانت داری مسلمہ تھی۔ حضرت صوفی صاحب نے منی آرڈر وصول کرنے کی ذمہ داری آپ کو سونپی تھی۔ ذاتی اخراجات

منگل صبح پانچ بجے کے قریب آخری سانس لے کر راہی ملک بقا ہوئے۔ انتہائی پرسکون اور مطمئن حالت میں روح قفس عنصری چھوڑ کر اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
تاریخی جنازہ اور تدفین:

مولانا مرحوم کی وفات کی خبر آنا فانا پھیل گئی۔ آپ کے جسد خاکی کو ماموں کا نجن لایا گیا۔ ظہر کے بعد آپ کے شاگردوں نے غسل دیا اور تاریخی مسجد میں بہت بڑا جنازہ ہوا جس میں ہزاروں کی تعداد میں علماء کرام، اساتذہ، طلبہ، احباب جماعت اور رشتہ دار شریک ہوئے۔ مرحوم کے دیرینہ ساتھی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی رحمہ اللہ نے نہایت رقت آمیز انداز میں آپ کا جنازہ پڑھایا۔ مرحوم کا چہرہ حسب سابق منور اور مطمئن تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا آپ سو رہے ہیں۔ ابھی انھیں گے اور کہیں گے: اٹھو، چلو جوان پڑھیے، پڑھنے پڑھانے سے سکون ملتا ہے۔ مگر آپ اب ایسے جہان میں جا چکے تھے جہاں سے کوئی واپس آیا، نہ آئے گا۔

پھر پر غم آنکھوں، بہتے آنسوؤں اور دھڑکتے دلوں کے ساتھ مرحوم کو سپرد خاک کر دیا گیا جس طرح یکم نومبر بروز منگل (بمطابق ۲ ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ) کے دن سورج غروب ہو رہا تھا اسی طرح قبر میں تقویٰ، دیانت، حلم و بردباری، شفقت و اخلاص اور نیکی کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ اسی قبرستان میں مرحوم کے والدین، دو بیٹیاں، محترم قاضی محمد اسلم سیف اور دیگر احباب محو استراحت ہیں۔ اساتذہ اور طلبہ نے بڑے ادب اور سلیقے سے سنت کے مطابق کچی قبر تیار کر کے پانی چھڑکا اور حضرت الاستاذ مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی نے مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر کو جنت کا باغیچہ بنائے۔ آپ کے اعمال صالحہ کو قبول فرمائے۔ کمزوریاں معاف فرما دے۔ اہل و عیال، رشتہ داروں، شاگردوں اور متعلقین کو صبر جمیل عنایت فرمائے اور علمی خدمات قبول فرمائے۔

میں بہت محتاط تھے۔ کبھی کوئی چیز ادھار نہیں خریدی۔ کسی سے قرض نہیں لیا۔ یہ بہت بڑی خوبی ہے جو آج کل مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ سفر میں کرایہ اپنی جیب سے ادا کرتے۔ کسی ساتھی اور شاگرد کو کرایہ دینے کی اجازت نہ دیتے۔ نیکی اور احسان پر شکریہ ادا کرتے۔ جب فیصل آباد میں آنکھوں کا آپریشن ہوا تو مولوی محمد زبیر ولد مولانا عبدالقادر ندوی نے آپ کا بہت خیال رکھا۔ کھانا گھر سے پکا کر لایا کرتے تھے۔ استاد مرحوم ان کا برملا شکریہ ادا کرتے اور ان کی تعریف کرتے تھے۔

حج و عمرہ کی سعادت:

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دو دفعہ حج کا موقع آپ کو میسر آیا۔ پہلی مرتبہ محترم مولانا پروفیسر ظفر اللہ مرحوم کے تعاون سے اور دوسری مرتبہ ایک مرحوم بزرگ کے حج بدل کی صورت میں سعادت حاصل کی۔ جب کبھی ذکر شروع ہو جاتا۔ تو والہانہ انداز میں حرمین شریفین کا تذکرہ فرماتے۔ اس سلسلے میں معاونین کے لیے جذبات تشکر کا اظہار فرماتے خصوصاً پروفیسر محمد ظفر اللہ مرحوم، کراچی اور حفظ محمد رمضان، لطف آباد، ملتان جنھوں نے مکہ مکرمہ میں آپ کے ساتھ بہت تعاون کیا۔

علالت اور سفر آخرت:

کافی عرصے سے مولانا مرحوم چھاتی اور پھیپھڑوں کے مختلف امراض میں مبتلا تھے۔ فیصل آباد کے مختلف ڈاکٹروں کے زیر علاج رہے۔ ۲۵ اکتوبر بروز منگل کو بخاری شریف پڑھائی۔ وقفے میں گھر آئے تو بخار کی شدت کی وجہ سے دوبارہ جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ ماموں کا نجن میں چپک اپ کرایا۔ جمعرات ۲۷ اکتوبر کو عزیز فاطمہ ہسپتال فیصل آباد داخل کرا دیا گیا۔ ۳۰ اکتوبر بروز اتوار نماز عشاء کے بعد مولانا مرحوم سے بذریعہ فون بات ہوئی۔ نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ آپ کہہ رہے تھے: الحمد للہ علی کل حال۔ میں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر خوش ہوں۔ پر اعتماد لہجے میں بات کرتے رہے اور بیمار پرسی کا شکریہ ادا کرتے رہے۔ یکم نومبر بروز

وفات حسرت آیات پر علماء کے تاثرات:

مرحوم کے جنازے میں سیکڑوں علمائے کرام نے شرکت کی۔ ہر ایک کی زبان پر آپ کی تعریف و توصیف تھی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرشید ہزاروی، مولانا عائش محمد، مولانا حافظ مقصود احمد، رئیس جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن، مفتی مولانا عبدالستار حماد، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحمید ہزاروی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ امجد، مولانا احمد یار صدیقی، شاہ عبدالحق اور مولانا عبدالرشید جازی رحمہ اللہ نے انتہائی مغموم انداز میں اپنے تاثرات بیان کیے جن کا خلاصہ یہ ہے:

مولانا عبدالرشید مرحوم سادگی، شرافت اور نجابت کا بہترین نمونہ تھے۔ مرحوم جید عالم دین، محقق اور مدرس تھے۔ آپ اساتذہ اور بزرگوں کا احترام اور طلبہ سے انتہائی شفقت سے پیش آتے۔ پیش آمدہ دشوار حالات میں بھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے تھے۔ جامعہ تعلیم الاسلام، اس کے بانی، اساتذہ اور طلبہ سے بہت مخلص تھے۔ آپ کی وفات جامعہ اور جماعت اہل حدیث کے لیے حادثہ

فاجعہ ہے۔ اس نقصان کو اللہ تعالیٰ ہی پورا فرمائیں گے۔ آپ نے کبھی تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ نہ کیا اور نہ ہی انتظامی معاملات میں بے جا دخل دیا۔ اس موقع پر عربی شعر پڑھا گیا:

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنیان قوم تهد ما

”قیس کی موت ایک آدمی کی موت نہیں بلکہ اس سے قوم کی

عمارت گر گئی۔“

مرحوم اخلاص سچائی کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ مرحوم سے زندگی بھر کسی کو کوئی شکایت نہ تھی، مرنے کے بعد کیسے ہوگی۔ نظام تو چلتا رہے گا اساتذہ بھی میسر آجائیں گے مگر ایسے وفدار، دیانتدار اور جاشار نہیں ملتے۔ ہمیں علماء اور اساتذہ کی قدر کرنا چاہیے۔

برادری کے سب بزرگ اور دیگر احباب آپ کی تعریف و توصیف کر رہے تھے۔ مرحوم کے پس ماندگان میں اہلیہ محترمہ دو بیٹیاں ایک بھائی اور بہن ہیں۔

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے جد امجد امام عبدالسلام رحمہ اللہ کی فقہ الحدیث کی بلند پایہ کتاب

منتقى الاخبار (مترجم)

○ امام عبدالسلام رحمہ اللہ، جد امجد شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ کتاب معاشرتی مسائل و احکام پر جامعیت کے لحاظ سے ایک خاص مقام و مرتبے کی حامل ہے، اس میں چار ہزار احادیث مبارکہ عربی متن اور اردو ترجمے کے ساتھ جمع کی گئی ہیں۔

○ اس عظیم کتاب کا سلیس اردو ترجمہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد داؤد راجہ رحمہ اللہ نے فرمایا تھا۔ اس پر نظر ثانی، تنقیح و تہذیب مولانا محمد ابو بکر صدیق السلفی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

دارالحدیث

○ یہ اہم کتاب ۲۰ مضبوط جلدوں پر مشتمل ہے۔ عمدہ گیلر کاغذ، کمپیوٹر کمپوزنگ قیمت =/۱۲۰۰ روپے عام رکھی گئی ہے۔

ناشر: دار الدعوة السلفیہ، ۳۱- شیش محل روڈ لاہور۔ پوسٹ کوڈ ۵۴۰۰۰

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا میاں محمد بن میاں عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ

حکیم عبدالباری بن محمد ادریس بن میاں محمد

وقت مسلک اہل حدیث کی راولپنڈی میں واحد مسجد تھی) کی انتظامیہ کے اصرار پر مسجد کی امامت و خطابت کے فرائض سنبھال لیے۔ استاذ العلماء مولانا حافظ محمد اسماعیل ذبح رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے آپ ہی جامع مسجد ہذا کے امام و خطیب تھے۔ ☆

پھر والدہ محترمہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دوبارہ اپنے گاؤں کی مسجد کی امامت و خطابت کے فرائض سنبھال لیے اور تاحیات اسی مسند پر جلوہ افروز رہے۔ اس دوران کچھ عرصہ کے لیے اپنے گھر سے تقریباً ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر جھنگڑہ گاؤں میں مدرسہ اشاعت الاسلام میں، جس کے بانی مولانا عبدالغنی مرحوم تھے، درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ جزاء اللہ عنا وعن المسلمین خیراً

آپ کا معمول تھا کہ راستے پر چلتے ہوئے ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے۔ آپ کو دیندار لوگوں سے بے حد محبت تھی اور خصوصاً جہاد اور مجاہدین سے بہت پیار کرتے تھے۔ اپنے علاقے میں تحریک المجاہدین کے سرگرم رکن تھے۔ صوفی محمد عبداللہ مرحوم کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ آپ اپنے علاقے اور اپنی طرف سے جہاد فنڈ اکٹھا کر کے غازی عبدالکریم مجاہد آبادی کے ہاتھ مجاہدین کو ارسال کرتے۔ اسی تعلق کی وجہ سے صوفی عبداللہ مرحوم اور غازی عبدالکریم ان کے ہاں سموالہ اکثر آتے رہتے۔ علاقے کے بیشتر بااثر علماء کو مجاہدین کا معاون بنایا اور ان کے ساتھ تعلقات قائم کیے۔ ان معاونین میں مولانا عبدالمجید ڈھینڈہ، عبدالقادر زوارہ اور مولانا یحییٰ

مرحوم میاں صاحب محترم حضرت صوفی محمد عبداللہ صاحب کے دیرینہ دوست اور مجاہد ساتھی تھے۔ آپ ہزارہ کے گاؤں سموالہ میں ۱۸۷۹ء کو پیدا ہوئے۔ اس وقت تعلیم و تعلم کا کوئی انتظام نہ تھا اور کوئی دینی درس گاہ بھی قریب نہ تھی۔ آپ دینی تعلیم کے لیے امرتسر تشریف لے گئے اور مدرسہ غزنویہ میں داخلہ لے لیا۔ خوش قسمتی سے نیک اور باکردار اساتذہ میسر آئے جن کی تربیت کی وجہ سے قرآن و سنت کی محبت دل میں بس گئی۔

وہاں تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے علاقے میں خدمت دین کا کام شروع کر دیا جبکہ اس وقت پورا علاقہ شرک و بدعات اور ہندوانہ رسومات سے آلودہ تھا۔ آپ پوری ہمت سے قرآن و سنت کی روشنی پھیلانے میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے کردار و عمل کی وجہ سے لوگوں پر آپ کی بات اثر کرنے لگی اور وہ آپ کی بے حد قدر کرنے لگے اور مستجاب الدعوات مشہور ہو گئے۔ اسی بنا پر لوگوں نے حنفی المسلك ہونے کے باوجود آپ کو گاؤں کی مسجد کی امامت سونپ دی۔ امامت کے دوران آپ نے نماز جمعہ کا آغاز کیا اور خطبات میں لوگوں کے عقائد کی اصلاح کی جس کی وجہ سے لوگوں اور اپنی برادری میں آپ کی عزت اور وقار میں اضافہ ہو گیا۔

آپ کے تقویٰ، نیکی اور علمی پختگی کی شہرت ہزارہ سے نکل کر پنجاب تک پھیل گئی اور راولپنڈی کی مرکزی جامع مسجد (غالباً اس

☆ مولانا حافظ اسماعیل ذبح رحمۃ اللہ علیہ سے قبل اس مسجد میں خطابت کے فرائض مولانا فیروز دین (تلمیذ مولانا عبدالغنی جھنگڑوی رحمۃ اللہ علیہ) سرانجام دیتے تھے۔ مولانا میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ غالباً ان سے پہلے خطابت کرتے رہے ہیں۔ (حکیم حسین شاہ)

ہیں۔ اسی طرح مولانا حبیب الرحمن صاحب اور قاری خلیل الرحمن صاحب بچیوں کا مدرسہ چلا رہے ہیں جو ہزارہ میں جامعہ ام القریٰ للبنات کے نام سے جماعت کا ایک بڑا ادارہ ہے۔

آپ کی اولاد نے آپ کے بعد مسلک حق اہل حدیث کو سینے سے لگایا اور مشکل حالات میں بھی قرآن و سنت کا دامن نہ چھوڑا۔ اس طرح الحمد للہ ”وترکنا علیہ فی الآخِرین“ کے مصداق آپ کے پیچھے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے مشن کو جاری رکھا۔ آپ نے تقریباً زندگی کی بہتر بہاریں گزار کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے بیٹے مولانا محمد یعقوب صاحب مرحوم نے آپ کا جنازہ پڑھایا اور گاؤں سموالہ میں ہی آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

اللہم اغفر له وارحمه، إنک أنت الغفور الرحیم۔



ضروری اعلان

ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور میں مضامین ارسال کرنے والے خواتین و حضرات درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:

- ⊙ مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا ہو، صاف ستھرا اور حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
- ⊙ مضمون مدلل، باحوالہ، آیت، حدیث اور کتب کے نام و صفحہ نمبر مکمل تحریر فرمائیں۔

- ⊙ جلسوں، کانفرنسوں کے اشتہارات یا اعلانات بھیجنے والے احباب اس کا اعلان جلسہ یا کانفرنس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے ارسال کر دیا کریں، نیز ان جلسوں یا تقاریب کی رپورٹ وغیرہ شائع کرنے سے ادارہ قاصر ہے۔

- ⊙ مضمون ارسال کرنے والے شائع ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا کریں نیز غیر معیاری مضامین کی اشاعت سے اداه معذرت خواہ ہے۔ امید ہے قارئین دفتر الاعتصام سے تعاون کریں گے۔ (منیجر)

صاحب باگن انتہائی نیک و باکردار اور مجاہدین کے خصوصی معاون تھے۔ تنگ دستی کے باوجود آپ کے ہاں مجاہدین اور علماء کی آمد رہتی اور آپ کا گھر مسافروں کی آرامگاہ اور مجاہدین کی پناہ گاہ تھا۔

پنجاب کے اکثر مجاہدین، جن کو پولیس تنگ کرتی، آپ کے گھر میں ایک ایک ماہ تک چھپے رہتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ مجاہدین آپ کے گھر میں پناہ گزین تھے کہ علاقے کے نمبردار نے پولیس کو اطلاع کر دی۔ پولیس نے چھاپہ مارا لیکن پولیس مجاہدین کو گرفتار کرنے میں ناکام رہی۔ چونکہ آپ نے اپنی اولاد کی تربیت بہت اچھی کی ہوئی تھی جس کی وجہ سے آپ کے بیٹے مولوی محمد ادریس (جو راقم الحروف کے والد محترم ہیں) نے کمال حکمت سے پولیس کو روکا اور دوسری طرف سے مجاہدین کو محفوظ راستے سے نکال دیا، اس طرح اللہ کے یہ بندے آزمائش سے محفوظ رہے۔

آپ نے اپنے علاقے میں بریلویوں اور حنفیوں سے چند ایک مناظرے بھی کیے۔ اگرچہ علاقے میں آپ کی پشت پناہی کرنے والی کوئی تنظیم نہ تھی اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حنفیوں میں سے ہی آپ کے معاون پیدا کیے اور اختلافی مسائل میں آپ کو فتح نصیب ہوتی رہی جس کی وجہ سے پوری وادی میں مسلک اہل حدیث کی مخالفت میں بہت کمی واقع ہوئی۔

آپ کی اولاد میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں: مولانا محمد یعقوب مرحوم، مولانا محمد داود اور مولانا محمد ادریس صاحب۔ تمام اولاد کو خود ہی دینی تعلیم سے آراستہ کیا۔ اس وقت آپ کے پوتوں اور نواسوں میں تقریباً پندرہ مستند علماء کرام ہیں جو مختلف جگہوں میں خدمت دین میں مصروف ہیں اور ان شاء اللہ آپ ہی کا صدقہ جاریہ ہیں۔ جن میں راقم الحروف حکیم عبدالباری پنڈ گجراں، ہری پور میں دو مدرسوں (للبنین و للبنات) کی سرپرستی کر رہا ہے۔ اور آپ کے نواسوں میں حضرت مولانا عبدالحنان صاحب بستی سموالہ میں ہی خطابت کر رہے ہیں اور حفظ کا کامیاب مدرسہ چلا رہے

تبصرہ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دونوں کا آنا ضروری ہے

ماہنامہ ”القاسم“ کا قلم و کتاب نمبر

سرپرست: مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت: ۲۱۲ صفحات

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس

خالق آباد نوشہرہ، خیبر پختون خواہ

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

عصر حاضر میں علم و ادب کی جو خدمت انجام دی جا رہی ہے اور نئے نئے افکار و خیالات سے مزین بے شمار کتب مارکیٹوں میں ہمیں دستیاب نظر آتی ہیں ان کتب میں معروف مصنف، مرتب، مترجم، کہنہ مشق صحافی محترم مولانا عبدالقیوم حقانی کے شہ پارے بھی شامل ہیں۔ حقانی صاحب نے درج ذیل کتب کی ترتیب و اشاعت کی ہے۔ مکاتیب مشاہیر، گنبد خضرا کے سائے میں، اے زائرِ حرم، کشکولِ معرفت، سراغِ زندگی، والد کا پیغام اولاد کے نام، تذکرہ و سوانح خواجہ خان محمد، بنیاد کا پتھر، مرد قلندر وغیرہ۔

مولانا موصوف کی کتب پر کئی اہل علم و مبصرین نے تبصرے و مقالے پیش کیے ہیں۔ مبصرین کتابوں پر تبصرے کرتے وقت اپنا نقطہ نظر بیان کرتے کرتے بعض دفعہ اپنی علمی فراوانی کا نظارہ بھی دکھانا چاہتے ہیں اور اپنی ذہنی ساخت کا پتا بھی قارئین کو دے جاتے ہیں۔ حقانی صاحب کی مرتب کتب پر مبصرین کے تبصروں پر مشتمل یہ اشاعت خاص ”القاسم“ کی تین اشاعتوں پر یکجا مرتب شدہ ہے۔ بعض مبصرین کے کیے گئے تبصروں پر اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ مولانا حقانی نے من و عن یہ مقالے و تبصرے شائع کر دیے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب مولانا عبدالقیوم حقانی کے ادبی مقام و مرتبہ کو واضح کرتی ہے کہ وہ دن رات کتب کی اشاعت میں لگن ہیں۔ اللہ

کرے زور قلم اور زیادہ۔

زیر تبصرہ اشاعت کے آخری حصے میں مولانا عبدالقیوم حقانی کے قلم سے دیگر مصنفین کی کتب پر تبصرہ و تعارف پیش کیا گیا ہے۔ یہ تعارف و تبصرے حقانی صاحب کے صحت مند ذہن و فکر کی عکاسی کرتے ہیں۔ اہل ذوق موصوف کی تمام کتب کا مطالعہ کریں۔

توبہ و تقویٰ

تالیف: ابو شریل شفیق الرحمان الدراوی

ضخامت: ۱۵۲ صفحات

خصوصیات: عمدہ طباعت، بہترین سفید کاغذ، مضبوط جلد

ناشر: الفرقان ٹرسٹ، خان گڑھ، ضلع مظفر گڑھ

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

انسان بے شک خطا کا پتلا ہے۔ گناہوں کی دلدل میں گھسے ہوئے انسان کو بچنے کے لیے اور فلاح دارین میں کامیابی و کامرانی کے لیے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے، وہ توبہ و استغفار، تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ تقویٰ کیا ہے؟ کانٹوں سے بھری جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے اپنے دامن کو بچا کر چلنے کا نام تقویٰ رکھا گیا ہے۔ یعنی انسان اس بھری پری دنیا میں جس مقصد کے لیے آیا ہے، اگر خدا خواستہ اس مقصد سے ہٹ چکا ہے تو اس کو صبر اور تقویٰ کا دامن فوراً تھام لینا چاہیے۔

آنکھیں، کان، زبان، ہاتھ اور پیر سب اپنے اپنے حصے کا تقویٰ سمیٹتے ہیں۔ برائی کی طرف بھی انھیں اعضاء کا استعمال کرتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب توبہ و تقویٰ کے موضوع پر بڑے شوق و جذبے سے لکھی گئی ہے۔ مؤلف نے توبہ و تقویٰ اختیار کرنے کے بارے قرآن و حدیث اور کتب تفاسیر سے بڑا مواد اس کتاب کی زینت بنا دیا ہے اور تخریج سے بھی مزین ہے۔ قیمت درج نہیں۔ کمپیوٹر کمپوزنگ ہے۔

ملنے کے پتے: اسلامی اکیڈمی، کتاب سرائے، دارالکتب السلفیہ، مکتبہ اسلامیہ، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور سے یہ کتاب مل سکتی ہے۔

افضل جہاد

انتہا جور و ستم کی تو نہیں ہوتی کبھی
نرم پڑتی ہی نہیں ہے ظالموں کی سنگ دلی
ظلم کر دیتا ہے اندھا آدمی کو اس طرح
رات مل دیتی ہے ہر اک شے پہ کالک جس طرح
ہاں! دعا مظلوم کی بھی رد کبھی ہوتی نہیں
مرسل داور کا ہے قول رشید و راستیں
کانپ اٹھیں آہ سے اس کی آسماں کے بام تک
ظالموں کو رہتی ہے پہنچا کے وہ انجام تک
رات تو کٹتا ہے وہ کٹ ہی جایا کرتی ہے
ظلمتوں کی تہہ افق سے چھٹ ہی جایا کرتی ہے
تھام لے انساں اگر صبر و اطاعت کا عصا
ٹوٹ جایا کرتا ہے جبر و ستم کا ہر کڑا
اپنے رب سے ہو نہیں سکتا مسلمان نا اُمید
گر عزائم کی بنا ہو نصرتِ رب وحید
شر کو شر کہنا کہ ہے یہ دافعِ فتن و فساد
کلمہ حق کہتے رہنا بھی تو ہے افضل جہاد

(اُمّ عبدمنیب)